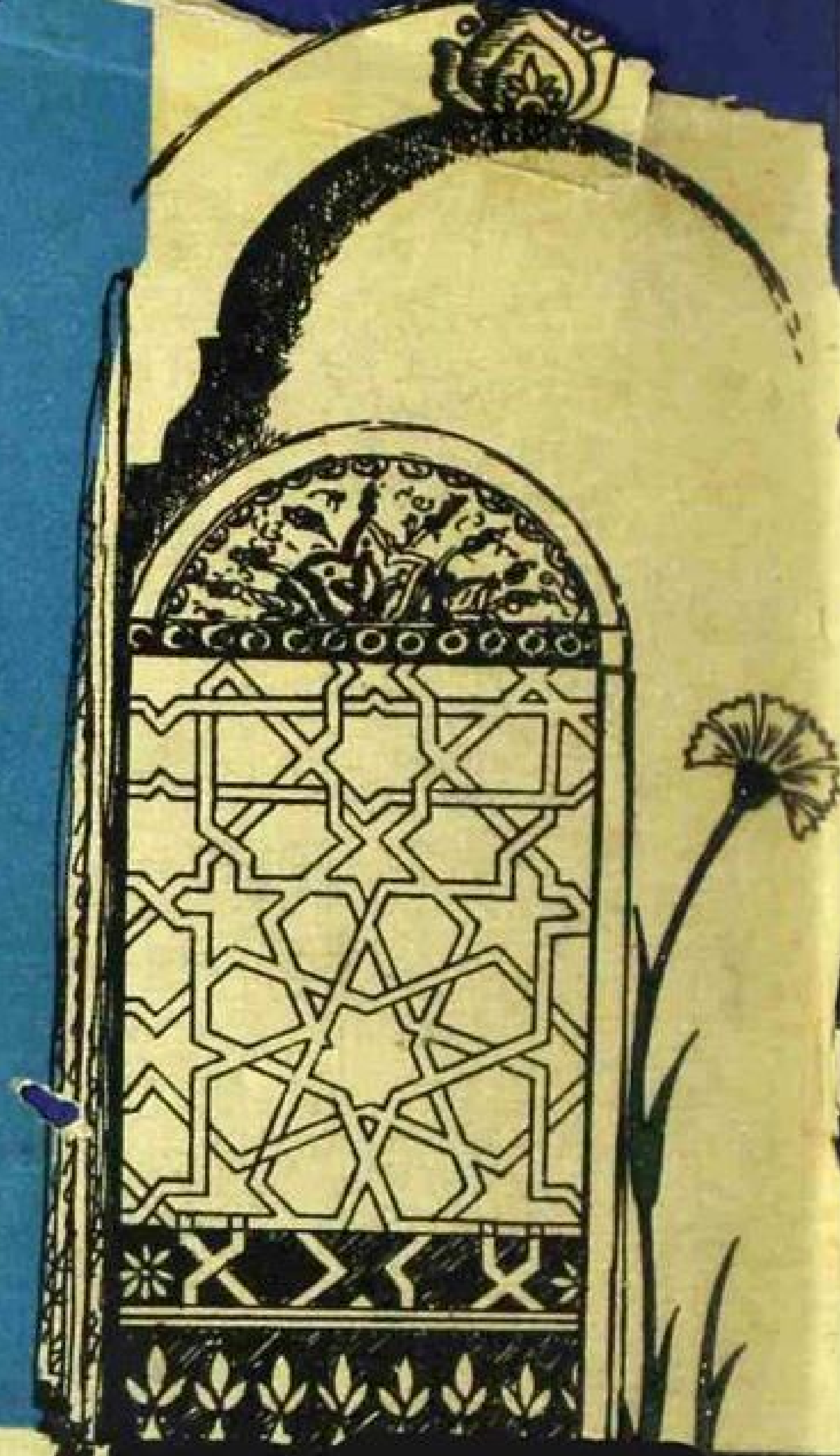
فردوس



ماہر القادری

چراغِ راہ کراچی

فردوس

ماہر القادری

طابع:- اردو پریس، لاہور

ناشر:- مکتبہ چراغِ راہ - لاہور

اشاعتِ اول:- نومبر ۵۵ء

ترتیب

لاالٰہ الا اللہ ۱۱
صبحِ سعادت ۱۲
طیبہ کی زیارت ہوتی ہے ۱۴
..... آتے ہیں ۱۵
منقبت ۱۶
سلام ! ۱۷
سوئے مدینہ ۱۸
نغمۂ حرم ۲۰
مکّہ سے مدینہ جاتے ہوئے ۲۱
دعوت و منقبت ۲۲
حجاز سے رخصت ہوتے ہوئے ۲۳
نوائے جبریلؑ ۲۵
خلافتِ الٰہی ۲۶
پیام ۳۴
اسلامی دستور ۳۵
ساقی نامہ ۳۷
دو منظر ۳۸
قرآن کی فریاد ۳۹
زعیمِ مصر حسن البنّا شہید ملّت ۴۰
صبحِ آزادی ۴۱
مزدور سے ۴۳
محکوم اور آزاد ۴۴
بلبل اور چکور ۴۵
مغربی تہذیب ۴۶
باتیں کریں ۴۷
مسلمان عورت سے ! ۴۸
اندھی بھکارن ۴۹
آج بھی : ۵۲

سیدابوالاعلیٰ مودودی	۵۳	کیا جانئے کیا یاد آیا!	۷۹
آیاتِ عمل	۵۵	پاکستان کا مستقبل	۸۱
سجدۂ تکبیر	۵۶	قائدِ ملت بہادر خاں!	۸۴
مشورے	۵۷	ضرورت ہے!	۸۶
اپنے حاسدوں سے!	۵۸	جھلکیاں	۸۸
یہ دنیا!	۵۹	دعوتِ نگاہ	۸۹
ان کو پہچانیئے!	۶۱	دہلی سے بمبئی جاتے ہوئے	۹۰
جائزہ	۶۲	جہاں میں ہوں	۹۲
علمائے کرام سے!	۶۳	کیا کروں؟	۹۴
جماعتِ اسلامی کے معترض	۶۵	سالِ نو کا پیام	۹۵
انقلاب زندہ باد	۶۶	برکھا رت	۹۶
گذارش	۶۸	اشتراکیت	۹۷
نزہت کی کامیابی (امتحان) پر!	۷۰	تاثرات	۹۸
ماتمِ شباب	۷۱	دو دو نسبتیں	۹۸
چلو!	۷۲	بہار کا ایک منظر	۹۹
گرلز کالج کی "لاری" دیکھ کر	۷۳	نوجوان مجاہد	۱۰۰
نہیں رہے؟	۷۴	اقبال	۱۰۱
گذر جا!	۷۵		
حسنِ معصوم	۷۶		

برق پارے

۱ - جن کی صبح و شام غرقِ جام ہیں ۱۰۵
۲ - ہیں ٹھوکریں بھی مجھے تلخیٔ کرم آمیز ۱۰۵
۳ - مَیں شکوہ سنج ہوں کیوں خارِ غم کی ہے جو کسک ۱۰۷
۴ - ہے دل میں جوشش طبیعت ہے کس قدر موزوں ۱۰۸
۵ - نہ وہ خمار شبانہ نہ وہ گراں خوابی ۱۰۸
۶ - جو دل کا درد نمایاں نہیں تو کچھ بھی نہیں ۱۰۹
۷ - سلطاں کے لیے شے ہے نہ تونگر کے لیے شے ہے ۱۰۹
۸ - کانٹوں کی کھٹک دیکھ، نہ پھولوں کی مہک دیکھ ۱۱۰
۹ - ہیں مردِ مجاہد کے بھی انداز نرالے ۱۱۱
۱۰ - تیغ کی جھنکار پر نغمے سُنا سکتا ہوں مَیں ۱۱۱
۱۱ - حنین و بدر میں وہ غازیوں کی تکبیریں ۱۱۲
۱۲ - نظر نظر پہ ہے بندش نفس نفس ہے غلام ۱۱۳
۱۳ - معرفت ہے نہ محبت نہ پیمبر نہ کتاب ۱۱۴
۱۴ - زمانہ آج بھی سوزِ یقیں سے ہے محروم ۱۱۵
۱۵ - یہ مصلحت کی زباں میں پیام بیداری ۱۱۶
۱۶ - مسلم کہ ہے من جملۂ آیاتِ الٰہی ۱۱۷
۱۷ - کہیں پیسہ کہیں روٹی خدا ہے ۱۱۷
۱۸ - دل کی دھڑکن سے پیالوں کی کھنک دب جائے گی ۱۱۸

۱۹ - مرے ماتھے پہ ہلکی سی شکن بھی آ نہیں سکتی ۱۱۹
۲۰ - خیال و فکر کی شیشہ گری ہیں کچھ بھی نہیں ۱۲۰

انجمن

۱ - جس دل میں خدا کا خوف رہے باطل سے ہراساں کیا ہوگا ۱۲۵
۲ - اس طرف بھی نظر آئے دیدۂ صاحب نظراں! ۱۲۶
۳ - صبر آزما تھے لمحے شبِ انتظار کے ۱۲۷
۴ - رضائے دوست جہاں لازمی نہیں ہوتی ۱۲۸
۵ - شاخیں جھک جھک کے کریں جب گل و ریحاں کو سلام ۱۲۹
۶ - عہدِ غم دورِ مصیبت بھی گزر جائے گا ۱۲۹
۷ - طلسمِ ہوش و مستی ہے یہ دھوکا ہے کہ نظارہ ۱۳۰
۸ - شگفتِ گل کو ہوا میسر نہ لالۂ دلنواز میں ہے ۱۳۱
۹ - وہ ہیں سرگرمِ کرم مجھ کو پریشاں دیکھ کر ۱۳۲
۱۰ - کچھ ایسے درد سے گھبرا کے آہ کی میں نے ۱۳۲
۱۱ - مجھے فریب نہ دے اے نشاطِ میخانہ ۱۳۳
۱۲ - سازِ دل جب شبِ فرقت میں صدا دیتا ہے ۱۳۴
۱۳ - نگاہ و دل کو تجلی بنا دیا جائے ۱۳۵
۱۴ - فغاں! کہ لذتِ ضبطِ فغاں نے لوٹ لیا ۱۳۵
۱۵ - منزلِ دوست نہیں رہگذرِ عام ابھی ۱۳۵

۱۶- شمع کا عالم، صبح کا منظر ۱۳۶

۱۷- نہ فکر و غم نہ دل کی پاسداری ۱۳۶

۱۸- رازِ ہستی کی یہاں کس کو خبر ہوتی ہے ۱۳۷

۱۹- کچھ بھی نگہِ دوست پہ الزام نہیں ہے ۱۳۷

۲۰- اُن کے وعدوں سے دل بہل نہ سکے ۱۳۸

۲۱- دل میں اب آواز کہاں ہے ۱۳۹

۲۲- احساسِ خوشی مٹ جاتا ہے افسردہ طبیعت ہوتی ہے ۱۳۹

۲۳- یہ تو مرے نصیب ہیں مجھ کو خوشی نہ مل سکی ۱۴۰

۲۴- نگاہ دل کی طرح بے قرار کیا ہوگی ۱۴۰

۲۵- مرا دل لائقِ رنج و محن ہے ۱۴۱

۲۶- دنیا کو کہیں مسکنِ راحت نہ سمجھنا ۱۴۱

۲۷- وہ سفینہ جو کنارے سے گریزاں ہوگا ۱۴۲

۲۸- اب نہیں ہے وہ نگاہِ شوق کی بے مائگی ۱۴۳

۲۹- فکر موجِ طوفاں سے واسطا نہیں رہنا ۱۴۴

۳۰- کسی سے مل کے جہاں حسن چال چلتا ہے ۱۴۵

۳۱- غم نہ ہوتا کوئی تسکیں کا نہ ساماں ہوتا ۱۴۵

۳۲- عقل بایں یقین و عزم ترک میں مبتلا بھی ہے ۱۴۶

۳۳- میں کیا کروں مرے دل کی عجیب حالت ہے ۱۴۶

۳۴- تری منزل گلستاں ہے نہ تیری راہ ویرانہ ۱۴۷

۳۵ - زوالِ ابنِ آدم ہو رہا ہے — ۱۴۷

۳۶ - رہبر کو پا نہ سکا نہ مجھے ہم سفر ملے — ۱۴۸

۳۷ - تباہی دین و ایماں کی تباہی — ۱۴۹

۳۸ - صبحِ چمن ہے انجمن آہ قفس قفس — ۱۵۰

۳۹ - جلوے تمام صرفِ نظر ہو کے رہ گئے — ۱۵۰

۴۰ - آدمی واقفِ اسرار نہ ہونے پائے — ۱۵۱

۴۱ - وعدہ کر دینے سے وعدہ تو وفا نہیں ہوتا — ۱۵۳

۴۲ - اک اک ادا تری دمِ رخصت نظر میں ہے — ۱۵۴

۴۳ پلک جھپکتے ہی میں نے دیکھا گزر چکا ہے بہت زمانہ — ۱۵۵

۴۴ - محبت عرش و گردوں ساز بھی ہے — ۱۵۶

۴۵ - اس طرح وہ خیال میں آئے — ۱۵۷

۴۶ - جب غم کی لطافت بڑھتی ہے جب درد گوارا ہوتا ہے — ۱۵۸

۴۷ - تا آں بتِ گلفام بہ گلشن نہ رسیدہ — ۱۶۰

۴۸ - سرشکے بہ چشم چکیدہ چکیدہ — ۱۶۱

۴۹ - غریبِ عشق سامانے نہ دارد — ۱۶۱

۵۰ - کیسی موجیں کیا منجدھار — ۱۶۲

خوشۂ پروین

(رباعیات)

اور نئی غزلیں — ۱۶۴

فردوس

لا الٰہ الا اللہ

دعائے شام و سحر لا الٰہ الا اللہ
یہی ہے زادِ سفر لا الٰہ الا اللہ
سکونِ قلب و جگر لا الٰہ الا اللہ
کمالِ فکر و نظر لا الٰہ الا اللہ
نہ کہکشاں نہ قمر لا الٰہ الا اللہ
نہ کچھ اِدھر نہ اُدھر لا الٰہ الا اللہ
تمام ملتیں باطل ہیں صرف اک اسلام
یہی ہے راہ گذر لا الٰہ الا اللہ
اسی میں دولتِ دُنیا اسی میں دولتِ دیں
متاعِ اہلِ خبر لا الٰہ الا اللہ
ملا رہا ہوں نگاہیں میں کجکلاہوں سے
نہ خوف ہے نہ خطر لا الٰہ الا اللہ
بُتوں کو توڑ تخیل کے ہوں کہ پتھر کے
ذرا بھی دیر نہ کر لا الٰہ الا اللہ

صبحِ سعادت

کچھ کفر نے فتنے پھیلائے، کچھ ظلم نے شعلے بھڑکائے
سینوں میں عداوت جاگ اٹھی، انساں سے انساں ٹکرائے
پامال کیا برباد کیا کمزور کو طاقت والوں نے
جب ظلم و ستم حد سے گزرے تشریف محمدؐ لے آئے
رحمت کی گھٹائیں لہرائیں دنیا کی امیدیں بر آئیں
اکرام و عطا کی بارش کی، اخلاق کے موتی برسائے
تہذیب کی شمعیں روشن کیں اونٹوں کے چرانے والوں میں
کانٹوں کو گلوں کی قسمت دی ذرّوں کے مقدر چمکائے
کچھ کیف دیا کچھ ہشیاری، کچھ سوز دیا کچھ ساز دیا
میخانۂ علم و عرفاں میں توحید کے ساغر چھلکائے
ہر چیز کو رعنائی دے کر دنیا کو حیاتِ نَو بخشی
صبحوں کے بھی چہروں کو دھویا راتوں کے بھی گیسو سلجھائے
اللہ سے رشتہ کو جوڑا، باطل کے طلسموں کو توڑا
خود وقت کے دھارے کو موڑا، طوفاں میں سفینے تیرائے
تلوار بھی دی، قرآں بھی دیا، دنیا بھی عطا کی، عقبیٰ بھی
مرنے کو شہادت فرمایا جینے کے طریقے سمجھائے

مکّہ کی زمیں اور عرش کہاں دم بھر میں یہاں پل بھر میں وہاں
پتھر کو عطا گویائی کی اور چاند کے ٹکڑے فرماتے
مظلوموں کی فریاد رسی، مجبوروں کی غم خواری کی
زخموں پہ خنک مرہم رکھے بے چین دلوں کے کام آئے
عورت کو حیا کی چادر دی، غیرت کا غازہ بھی بخشا
شیشوں میں نزاکت پیدا کی، کردار کے جوہر چمکائے
توحید کا دھارا رک نہ سکا اسلام کا پرچم جھک نہ سکا
کفار بہت کچھ جھنجھلائے شیطاں نے ہزاروں بل کھائے
اے نامِ محمد صلِّ علیٰ ماہرؔ کے لیے تو سب کچھ ہے
ہونٹوں پہ تبسم بھی آیا، آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے

.... طیبہ کی زیارت ہوتی ہے

کس بیم و رجا کے عالم میں طیبہ کی زیارت ہوتی ہے
اک سمت شریعت ہوتی ہے، اک سمت محبت ہوتی ہے

اُس دل پہ خدا کی رحمت ہو جس دل کی یہ حالت ہوتی ہے
اک بار خطا ہو جاتی ہے سو بار ندامت ہوتی ہے

جو بات وہ فرما دیتے ہیں معیارِ صداقت ہوتی ہے
دستورِ عمل بن جاتی ہے اسلام میں حجت ہوتی ہے

اے صلِّ علیٰ ایک ایک ادا اللہ کی آیت ہوتی ہے
ہے رُوئے محمدؐ پیشِ نظر قرآں کی تلاوت ہوتی ہے

اک وہ بھی مقدر ہوتا ہے اک ایسی بھی قسمت ہوتی ہے
بُوجہل یُوں ہی رہ جاتا ہے، بُوذرؓ کو ہدایت ہوتی ہے

طیبہ کی ببولوں کے کانٹے پھولوں سے بھی نازک تر نکلے
تلوؤں کو بھی لذت ملتی ہے آسودہ طبیعت ہوتی ہے

مقصودِ جہاں، محبوبِ خدا اور اُس پہ یہ شانِ فقر و غنا
کپڑے بھی وہ خود دھو لیتے ہیں خاقوں کی بھی عادت ہوتی ہے

اللہ کے آگے رو رو کر خلوت میں دعائیں بخشش کی
ہم خاک نشینوں کی خاطر راتوں کو عبادت ہوتی ہے

"اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ" فرما کر اللہ نے خود اعلان کیا
اتمامِ کرم اب ہو تو چکا بس ختمِ نبوت ہوتی ہے

...... آتے ہیں

[جو کراچی کے ایک طرحی مشاعرے میں شاعر کی زبان
سے فی البدیہہ سُنی گئی]

تاروں سے یہ کہہ دو کوچ کریں خورشیدِ منوّر آتے ہیں
قوموں کے پیمبر آ بھی چکے اب سب کے پیمبر آتے ہیں

رستے میں جو پتھر ملتے ہیں تعظیم کو جھک جھک پڑتے ہیں
کھُل کھُل کے گواہی دیتے ہیں مٹھی میں جو کنکر آتے ہیں

دربارِ نبیؐ جب گرم ہوا، افلاکِ بریں سے آئی صدا
یہ قیصر و کسریٰ حاضر ہیں یہ طغرل و سنجر آتے ہیں

اے حامیٔ بیکس! ختمِ رُسل! یہ حال ہے تیری اُمت کا
دنیا میں کسی کی بھی ہو خطا الزام ہمیں پر آتے ہیں

منقبت

"اصحابی کالنجوم" ——— (ارشادِ نبوی)

احساسِ صداقت رکھتا ہوں، آئینِ عدالت رکھتا ہوں
آنکھوں میں حیا دل میں غیرت، توفیقِ شجاعت رکھتا ہوں

اسلام کی اُلفت دل میں ہے، ایماں کی حلاوت رکھتا ہوں
بوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ، چاروں سے محبت رکھتا ہوں

ایمان چھپا لینا میرا مسلک ہی نہیں، مذہب ہی نہیں
چلتی ہوئی تلواروں میں بھی سچ کہنے کی عادت رکھتا ہوں

اغیار کی نازک چالوں سے ہر بار نہ دھوکا کھاؤں گا
فطرت ہے مری سادہ لیکن مومن کی فراست رکھتا ہوں

احساسِ شرافت قائم ہے بس حفظِ مراتب کے دم تک
صد شکر کہ میں بھی تمیزِ ترتیبِ خلافت رکھتا ہوں

پیرانِ حرم میں اور مجھ میں کچھ فرق بھی ہے کچھ لاگ بھی ہے
وہ زہد پہ اپنے نازاں ہیں میں اشکِ ندامت رکھتا ہوں

اشعار میں ظاہر کر دینا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے
اصحابِ محمدؐ سے ماہرؔ جتنی میں عقیدت رکھتا ہوں

سلام!

غمِ شبیرؓ میں آنکھوں میں آنسو آئے جاتے ہیں
یہ وہ موتی ہیں خونِ دل سے جو چمکائے جاتے ہیں

خدا کے واسطے اے شہپر جبریل! سایہ کر
علی اصغرؓ کے عارض دھوپ میں کملائے جاتے ہیں

امامت کے فریضہ کی بلندی کوئی کیا جانے
یہاں شاہوں کے تاج و تخت بھی ٹھکرائے جاتے ہیں

اِدھر بچوں کو بھی اک بوند پانی کی نہیں ملتی
اُدھر گھوڑے بھی آبِ نہر سے نہلائے جاتے ہیں

سرِ زینبؑ کی چادر اور نامحرم کے ہاتھوں میں
فلک جنبش میں ہے کہ وہ بیاں ٹھہرائے جاتے ہیں

حسینؓ ابن علیؑ نے جن کو روکا تھا کلیجہ پر
دلِ اسلام میں وہ تیر اب تک پائے جاتے ہیں

شہادت اک حقیقت زندہ و پائندہ ہے ماہر
فسانے کربلا کے آج تک دہرائے جاتے ہیں

سوئے مدینہ!

شوقِ طلب ہے راہبر، جوشِ جنوں ہے پاسباں
سوئے مدینۃ النبیؐ کون ہے یہ رواں دواں

اُن کا خیال، اُن کی یاد، اُن کا ہی ذکر و داستاں
شکرِ خدا کہ اب نہیں ایک نفس بھی رائیگاں

فکر و خیال ہم عناں، قول و عمل ہیں یک زباں
اب کوئی فاصلہ نہیں قلب و نظر کے درمیاں

جب کہ سفینۂ عرب[لہ]، سوئے عرب ہُوا رواں
عشق نے مرحبا کہا، شوق نے لیں جو چٹکیاں

خاکِ حجاز پر نثار، ایک نہیں ہزار بار
لالہ و سرو و نسترن، ماہ و نجوم و کہکشاں

آج دبی دبی سی ہے، چینِ جبینِ روزگار
آج رُکی رُکی سی ہے گردشِ ہفت آسماں

زندگی آج تک تو تھی رنج و خوشی کی دھوپ چھاؤں
اب ہے بہ فیضِ قربِ دوست حاصلِ عیشِ جاوداں

لہ جہاز کا نام۔

ذاتِ نبیؐ پہ ختم ہے، کون و مکاں کا ہر شرف
آپ رسولِؐ جزو و کُل، آپ امامِ انس و جاں

محو ہے گوشِ کائنات، گونج رہے ہیں شش جہات
جیسے لبِ بلالؓ پر صبح کو نغمۂ اذاں

نازشِ انتخاب ہے اُس کی نگاہِ انتخاب
شاخِ حرم کو چُن لیا جس نے برائے آشیاں

حالِ تباہ دیکھ کر اُن کو بھی پیار آگیا
تجھ پہ خدا کی رحمتیں اے مرے قلبِ ناتواں

نغمۂ حرم

حرم میں اذانِ سحر اللہ اللہ — کہ ہیں وجد میں بحر و بر اللہ اللہ
یہ ہر طوف یہ ملتزم پر دعائیں — یقینِ قبول و اثر اللہ اللہ
مقامِ براہیم پہ یہ نمازیں — یہ ہر سجدہ معراجِ سر اللہ اللہ
دھڑکتے ہوئے دل کا لیکر سہارا — مناجات با چشمِ تر اللہ اللہ
تصوّر بھی ہے ایک زندہ حقیقت — تخیّل بھی ہے معتبر اللہ اللہ
تجلّی میں دھوئے ہوئے سنگریزے — یہاں کے نجوم و قمر اللہ اللہ
جلالِ الٰہی کی تابندگی میں — جھلکتے ہوئے بام و در اللہ اللہ
یہ میزابِ رحمت وہ رکنِ یمانی — مقاماتِ اہلِ خبر اللہ اللہ

وہ کعبہ جسے دیکھ لینا عبادت
مسلسل ہے پیشِ نظر اللہ اللہ!

مکّہ سے مدینہ جاتے ہوئے

پاک دل، پاک نفس، پاک نظر کیا کہنا
بعد مکہ کے مدینہ کا سفر کیا کہنا

جیسے جنت کے دریچوں سے جھلکتی ہو بہار
پہلی منزل ہی کے انوارِ سحر کیا کہنا

تپشِ شوق بھی ہے گرمیٔ موسم بھی ہے
اور پھر اُس پہ مرا سوزِ جگر کیا کہنا

راہِ طیبہ کی ببولوں سے مچلتی ہے نگاہ
مرحبا! دیدۂ فردوس نگر کیا کہنا

خشک آنکھوں کو مبارک ہو یہ طغیانیٔ شوق
ہیں رواں اشک بہ اندازِ دگر کیا کہنا

سنگریزے ہیں کہ جاگی ہوئی قسمت کے نجوم
خارِ منزل ہیں کہ انگشتِ خضر کیا کہنا

دعوت و منقبت

روضۂ سیدِ ابرار تک آ پہنچے ہیں
غم کے مارے ہوئے غم خوار تک آ پہنچے ہیں

زائرِ شہرِ مدینہ! تجھے لینے کے لیئے
عالمِ قدس کے انوار تک آ پہنچے ہیں

یا نبیؐ! آپ کا دین اور ہو بدعت کا شکار
اُمتی جدتِ افکار تک آ پہنچے ہیں

حق شناسوں میں کوئی ایک بھی فاروقؓ نہیں؛
لوگ اب جرأتِ انکار تک آ پہنچے ہیں

تابکے ضبط؛ مری مصلحت اندیش خرد؛
معرکے جب رسن و دار تک آ پہنچے ہیں

دامنِ سوزِ یقین نے جنہیں دہکایا تھا
وہی شعلے مرے اشعار تک آ پہنچے ہیں

حجاز سے رخصت ہوتے ہوئے

الوداع! اے عرب کی پاک زمین — تیرے ذرّے ہیں رفعتوں کے مکین

الوداع! اے جہانِ ذکر و صلاۃ — الوداع! اے مقامِ عفو و نجات

الوداع! ارضِ بے زراعت و کشت — الوداع! اے نگاہ و دل کی بہشت

الوداع! اے فضائے کیف و سرور — الوداع! اے ہوائے دامنِ نور

رخصت اے بو قبیس و کوہِ صفا! — رخصت اے غارِ ثور و غارِ حرا

الفراق اے مقامِ ابراہیمؑ — الوداع اے مطاف و رکن و حطیم

الوداع! اے کبوترانِ حرم — ہم نشینانِ خاصگانِ حرم

الوداع! اے جوارِ بیت اللہ — بیکسوں غمزدوں کی جائے پناہ

چاہِ زمزم ہے یا خدا کی سبیل — رخصت! اے یادگارِ اسمٰعیلؑ

تجھ کو ہر وقت ہے حضور نصیب — بارک اللہ اے دیارِ حبیبؐ

تیری مٹی میں ہے وفا کا خمیر — رخصت اے سرزمینِ پاک ضمیر

رخصت اے روضۂ نبیؐ کریمؐ — رخصت اے جلوۂ رؤفؐ و رحیمؐ

رخصت اے جلوہ گاہِ قدس جناب — رخصت! اے بارگاہِ وحی و کتاب

رخصت اے جالیوں کے نظارے! — رخصت اے رحمتوں کے گہوارے

رخصت اے قبرِ حضرت صدیقؓ — تجھ پہ رحمت ہو اے نبی کے رفیقؓ

رخصت اے مرقدِ جنابِ عمرؓ — تیرے ذرّے نشانِ فتح و ظفر

رخصت اے منبرِ رسولؐ خدا　　رخصت اے مرکزِ پیامِ ہُدیٰ
اللہ اللہ! مسجدِ نبوی　　رخصت اے سجدہ گاہِ مصطفوی
رخصت اے ارضِ قبلتین و قبا　　رخصت اے خندق و اُحد کی فضا
کپکپانے لگی مری آواز　　رخصت اے قبرِ حمزہؓ جانباز
الوداع الفراق! خلدِ بقیع　　ذرّہ ذرّہ ترا ہے جیسے وقیع
کتنے شمس و قمر ہیں تجھ میں نہاں　　سنگریزے ترے ہیں کاہکشاں
کچھ شہیدانِ سینہ چاک بھی ہیں　　اہلِ بیتِ رسولؐ پاک بھی ہیں
شہِ لولاک کی بناتؓ بھی ہیں　　اور ازواجؓ طاہرات بھی ہیں
رخصت آرام گاہِ ذوالنورینؓ　　رخصت اے فاتحانِ بدر و حنین
اے شکستہ مزارِ پاکِ بتولؓ　　تجھ پہ قربان رحمتوں کے پھول
اب بھی ہیں بے قرار تیرے لئے　　کتنے آنسو مری عقیدت کے
الوداع! اے حدودِ ملکِ حجاز　　رخصت اے قبلہ گاہِ اہلِ نیاز
تیری مٹی نہیں دفینہ ہے　　صدق و اخلاص کا خزینہ ہے
تو زمیں پر خدا کی آیت ہے　　شام بھی تیری صبحِ جنت ہے
شانِ حق کا ظہور کیا کہنا!　　تیری راتوں کا نور کیا کہنا
اے عناں گیرِ گردشِ ایام　　تیری شام و سحر کو میرا سلام
سوئے خود بیں، بہ سوئے من منگر　　میری کوتاہیوں سے صرفِ نظر
اب بھی باقی ہے میرے دل میں خلش　　اے کہ تُو ہے جہانِ جذب و کشش

پھر مرے سامنے یہ منظر ہو
پھر مجھے حاضری میسر ہو

نوائے جبریلؑ

پیغام سناتے ہیں یہ اب تک لبِ جبریلؑ
ہے ذاتِ محمدؐ ہی پہ ہر خیر کی تکمیل

وہ مدرسے بازارِ تجارت ہیں کہ جن میں
نہ ذکرِ احادیث نہ قرآن کی ترتیل

بے سوز ہے، بے کیف ہے یہ گرمیِ محفل
واعظ کے فسانوں میں ہے تخئیل ہی تخئیل

یہ واعظ و صوفی کی حکایات و کنایات
یہ حسنِ مراعات ہے وہ صنعتِ تعلیل

الواحِ زبور آج بھی اس غم میں ہیں خاموش
باقی نہ رہی عصمتِ اوراقِ اناجیل

اُس قوم کے ایمان کا اللہ نگہباں
جس قوم میں ہوتی ہو مزارات کی تقبیل

ہے بدر کا میدان مسلمان کی فردوس
اتنی بھی بہت کچھ ہے اس اجمال کی تفصیل

یہ خانقہی سلسلۂ رشد و ہدایت
کچھ جدتِ تشبیہ ہے کچھ ندرتِ تمثیل

ہو روس کی تہذیب کہ لندن کا تمدن
یہ فتنۂ نمرود ہے وہ مکرِ عزازیل

خلافتِ الٰہی

شہر جلیل[1] کے قریب سے ایک وادی سے آواز آتی ہے

یہ آزمائشِ طاقت یہ شوقِ خود نگری
یہ ظلم و جہل کا طوفاں یہ زعمِ بے خبری
سیاسیات کے دھوکے یہ مصلحت کے فریب
خرد تراش رہی ہے مسائلِ نظری
ہوس کے ہاتھ میں اب بھی ہے تیغِ خوں آشام
لہو سے کھیل رہی ہے جنوں کی بے جگری
کہاں ہدایتِ درسِ خروج[2] و استثنا[3]
کہیں کہیں نظر آتے ہیں کتبۂ حجری[4]
مکاشفات[5] کی گرمی نہ سوزِ یوحنا
کمال بے بصری و تمام بے اثری
مری نگاہ میں تھی صلح و آشتی کی ہوا
مرے نفس نے کھلایا تھا غنچۂ سحری
نہ برگ و بار ہی باقی نہ وہ ہوائے نشاط
مرے نہالِ تمنا کی ہائے بے ثمری

مرے ضمیر پہ وہ راز ہو چکے ہیں فاش
نہیں ہوئی ہے زمانہ میں جن کی پردہ دری

[اس کے بعد فضا میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔ زمان و مکان کے پردے

---

[1] گلیلی (Galili) جہاں حضرت مسیح علیہ السلام نے وعظ فرمایا تھا۔

[2] و [3] مقدس تورات کی دوسری اور پانچویں کتابیں

[4] آیاتِ توریت عبرانی زبان میں کہیں کہیں لکھی ہوئی نظر آتی ہیں

[5] مکاشفات یوحنا — جن کو حضرت مسیح کے مواعظ کا خلاصہ سمجھا جاتا ہے۔

اٹھتے چلے جاتے ہیں اور پھر عالم آب و گل اور عالم مثال و برزخ کے درمیان اجسام وارواح کا جھرمٹ نظر آتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گردش کون و مکاں کو ٹھہرا دیا گیا اور ماضی و حال میں کوئی فرق باقی نہیں رہا۔ صلیب پر زیتون کے درخت کی شاخیں ہل رہی ہیں ——— اتنے میں شخصیتیں نمودار ہونے لگتی ہیں۔]

نپولین :——

سمندِ عزم مرا شوخ و تیز گام بھی تھا
کہ میرے قلب میں اک جوشِ انتقام بھی تھا

مرے خیال میں طوفاں تھے خمتمدی کے
مری نگاہ میں انساں کا احترام بھی تھا

نہ صرف تیغِ جہاں گیر میرے ہاتھ میں تھی
مری زبان پہ روح القدس کا نام بھی تھا

وہ نسل و رنگ کی کشتی وہ قومیت کا جہاز
اُسی میں آپ کا یہ ناسزا غلام بھی تھا

پرنس بسمارک :——

بہت زمانے سے تھی انتہائے پستی میں
وہ قوم جس کو مجھے سربلند کرنا تھا

مرے جنوں کی یہ شوخی معاف ہو جائے
کہ ایک کوزے میں طوفاں کو بند کرنا تھا

فریب و فتنہ کی اس کشمکش میں امن کہ جنگ
تمہیں بتاؤ مجھے کیا پسند کرنا تھا

زارِ روس :——

خطا شعار بھی تھے اور گناہگار بھی تھے
بہت سے میرے جہاں میں شریکِ کار بھی تھے

ہے امتیازِ گل و خار عدل کی توہین
چمن میں سرو و صنوبر نہیں چنار بھی تھے

اُس انقلاب سے دِل تنگ ہیں جہاں والے — کہ جس کے واسطے کچھ لوگ بیقرار بھی تھے
وہ بھوک جو کہ ہے بنیاد فوضویت[1] کی
تباہیوں کے اُسی بھوک میں شرار بھی تھے

لینن :—

عوام تختِ حکومت کو توڑ سکتے ہیں — یہ راز دہر پہ کرنا تھا آشکار مجھے
اُفق سے آتش و خوں کے طلوع مہر ہوا — خزاں نے آ کے دیا مژدۂ بہار مجھے
دیا تھا میں نے ہی شاہنشہی کو تتمہ — ملا عوام سے جس وقت اختیار مجھے
مگر ابھی مرے دل میں خلش سی باقی ہے
جو بعدِ مرگ بھی رکھتی ہے بیقرار مجھے

واسبوٹین :—

ارے او حامیٔ مزدور کہ زباں کو بند — رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند
مری ہوس نے بھی کتنے اٹھائے ہیں طوفاں — کہ جن کے سامنے ہے پست قلۂ الوند[2]

گلیڈسٹن :—

اٹھاؤ ہاتھ مرے ساتھ سب دعا کے لئے — کہ ہند[3] وقف ہے ایسٹ انڈیا کے لئے
فرنگیوں کے سفینہ کا ناخدا ہوں میں — صلائے عام ہے موجِ گریز پا کے لئے

---

[1] انارکزم

[2] نواحِ ہمدان میں ایک بلند پہاڑ کا نام

[3] یہ نظم دوسری جنگِ عظیم کے دوران میں کہی گئی تھی۔

جہاں کے عیش و طرب کا ہے مستحق یورپ
تباہیاں تو مقدر ہیں ایشیا کے لئے

[نہایت ہی خاموشی کے ساتھ نگاہ نیچی کئے ہوئے تخت نورانی کے نیچے سے ایک شخصیت نمودار ہوتی ہے، جیسے یہ بن بلائے یہاں آگئی ہے]

سراج الدین شاہ ظفر:۔

لہو کا داغ چھپائے سے چھپ نہیں سکتا
ذلیل شعلے کو شبنم بنا نہیں سکتی
وہ بدنصیب کہ جس کا ہو بیگناہی جرم
اُسے جہاں کی فضا راس آ نہیں سکتی
مری نگاہ نے دیکھے ہیں وہ مناظر بھی
کہ جن کی چشم فلک تاب لا نہیں سکتی
سلام قصر معلّٰی کے شہ نشینوں کو
جہاں عروسِ سحر مسکرا نہیں سکتی

[ایک مضطرب الحال وجود ظاہر ہوتا ہے جس کے جسم پر کفن لپٹا ہوا ہے اور کفن کے چاروں طرف "لوزان کانفرنس" لکھا ہوا ہے]

قیصر جرمنی:۔

عجیب فیصلہ مل کر سُنا دیا تم نے
مجھے ہر ایک نظر سے گرا دیا تم نے
تمام مشرق و مغرب ہیں جس کے زیر اثر
وہ دامِ مکر و سیاست بچھا دیا تم نے
کسی کے تیر چبھویا کسی کے چٹکی لی
کسی کا ناز سے پہلو دبا دیا تم نے
یہ سخت سخت شرائط یہ جبر پابندی
کہ میری قوم کو قیدی بنا دیا تم نے

آئرلینڈ[1] کا جانباز:

---

[1] جس نے آزادیٔ وطن کے لیے فاقے کر کے جان دے دی۔

فریبِ مکر و تصنع کی آتشِ بے دُود — طلسمِ فکر و تدبّر یہ سیمیا کی نمود
یہ بزمِ فتح و مسرت یہ مجلسِ اقوام — سُلگ رہے ہیں جنازے بجائے عنبر و عود
یہ غور و فکر یہ اندیشہ ہائے مستقبل — یہ طاقتوں کے توازن کی کوششِ بے سُود

اِدھر سحاب کے چھینٹے، ترشحِ شبنم
اُدھر ہے گرم ابھی انقلاب کی بارُود

[فضا میں غیر معمولی حرکت پیدا ہوتی ہے، پولینڈ سے لیکر اسٹالن گراڈ تک کی زمین نظر آتی ہے، لاشیں تڑپ رہی ہیں، انسانی خون کے چشمے اُبل رہے ہیں، ٹینک اور آتشبار جہاز حرکت میں ہیں ---- خبیث روح ان ہلاکت سامانیوں کو دیکھ کر مسکراتی ہے ---- اتنے میں ایک تارہ ٹوٹ کر گرتا ہے اور اُس سے ایک وجود ظاہر ہوتا ہے]

حافظ شیرازی :-

زبانِ حال پہ نغمہ بھی بن گیا فریاد — کہاں گئی وہ مری سرزمینِ رُکنا باد
ہے کس عذاب میں شیرازہ بندیٔ گلگشت — کسی روش پہ ہے گلچیں کسی طرف صیاد
یہ اقتدار و سیادت کی وادیٔ پُر پیچ — کہ دیکھنے میں ہے گویا غلام بھی آزاد

بہ چشمِ خود نگرم سطوتِ و شکوہِ جم
زاوجِ بامِ ثریا بہ سطحِ خاک اُفتاد

کاؤنٹ چیانو[1] :-

---

[1] مسولینی کا داماد جسے غداری کے جرم میں گولی ماردی گئی۔

کہیں پرستشِ سلطاں کوئی ہے فاسطی — کہیں ہے عشوہ طرازیِ لعبتِ جمہور
جنوں سوار کسی پر ہے آمریت کا — تراشتا ہے زمانہ نئے نئے دستور
کسی مقام پہ روٹی ہے زیست کا محور — چھڑی ہوئی ہے کہیں بحثِ افسر و مزدور
قیامِ امن و سکوں اب یہاں ہے ناممکن — کہ ہر نظام ہے انسانیت سے کوسوں دور

میں اپنے خون سے خط کے بتا کے آیا ہوں
اک آئینہ سا جہاں کو دکھا کے آیا ہوں

روحِ خبیث:- یہ کوئی غیر ہے روکو اسے نہ آنے دو
آواز:- ہمارے پاس اگر آ رہا ہے آنے دو

[بزم میں خامشی طاری ہو گئی - ایک شخصیت نمودار ہوتی ہے]

انور پاشا:-

یہ خود فروشِ سیاست یہ خانہ سازِ اصول — اسی کا نام ہے فکر و نظر کی گمراہی
درندگی کی ہیں خوگر مسیح کی بھیڑیں — نہ ذوقِ حق نگری ہے نہ وہ خود آگاہی
بغیرِ جذبِ یقیں ہر عمل ہے فتنہ ساز — ہزار توپ اور اک ضربتِ یدِ اللّٰہی

فرنگ جلوہ دگر داد رسمِ آذر را
حذر ز اہلِ سیاست اگر خدا خواہی

[سب ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگتے ہیں]

۱؎ جاپان — ۲؎ یورپ کا جمہوری نظام
۳؎ نازی ازم — ۴؎ سوویٹ روس

ولسن سابق صدر جمہوریہ امریکہ :-

یہی ہیں ڈھنگ زمانہ میں سربلندی کے
اُڑاؤ پرچم رنگین فتحمندی کے

شکست خوردہ جو اقوام اور ممالک ہیں
بتاؤ اُن کو طریقے نیاز مندی کے

مرے اصول کی تہ کوئی پا نہیں سکتا

بہت مہین سے خلکے ہیں خود پسندی کے

(اتنے میں ایک سفینہ نظر آتا ہے جس کے بادبان پر "تہذیب حاضر"

لکھا ہُوا ہے۔ طوفانی موجیں اس سفینہ کو بُری طرح ہچکولے دے رہی ہیں)

روحِ خبیث :- ارے بچاؤ مرے ڈوبتے سفینے کو

آواز :- نکال دو مری محفل سے اس کمینے کو

(سفینہ ڈوب جاتا ہے اور سطح آب پر یہ عبارت نورانی حروف میں

لکھی ہوئی دکھائی دیتی ہے)

کوئی دماغ بھی اب کام کر نہیں سکتا
سفینہ ڈوب کے پھر سے اُبھر نہیں سکتا

وہ دیکھ! حق و صداقت کا لشکر آپہنچا
کہ جس کے سامنے باطل ٹھہر نہیں سکتا

(عالم برزخ کی جگہ عالم کون و فساد (جہان آب و گل) نظر آتا ہے جہاں

عدل و انصاف کے چشمے اُبل رہے ہیں اور یقین و صداقت کا آفتاب

طلوع ہو رہا ہے۔ اور انسانوں کی بادشاہت کی جگہ "خلافت الٰہیہ"

قائم ہے)

آخری آواز :

یہ دین اور سیاست کا امتزاج لطیف
اسی کو آخری دستور بن کے رہنا تھا

خدا کا خوف بھی ہے پاسِ آدمیت بھی — زمیں کو عدل سے معمور بن کے رہنا تھا
یقین و عدل و صداقت کا دور دورہ ہے — کہ ظلم و جہل کو مجبور بن کے رہنا تھا

یہی نظام ہے فطرت کا حاصل و مقصود
بہ روحِ پاکِ محمد درودِ نا محدود

پیام!

زندگی ہے سرفروشی اور قربانی کا نام
کاش! اس کو جان سکتے عیدگاہوں کے امام

دل میں ایماں کی حرارت ہے نہ ذوقِ بندگی
صرف لفظوں کے پجاری، صرف رسموں کے غلام

کتنے بے گھر لوگ سایہ کے لیے محتاج ہیں
شکریہ بارے صاحبانِ اقتدار و انتظام

جن کے دن تاریک راتیں اور بھی تاریک تر
جن کی صبحوں کا یہ عالم جیسے ویرانہ کی شام

دل کے چھالے اتنے نازک بھی نہ ہونے چاہئیں
نوکِ نشتر جن کو بادِ صبح گاہی کا خرام

گرمیِ تکبیر میں شامل ہو گر دل کا خلوص
ایک ہی نعرے میں ہو سکتی ہیں تیغیں بے نیام

مَیں نے جن ذرّوں کو ٹھکرایا ستارے بن گئے
مَیں نے جن تاروں کو چاہا ہو گئے ماہِ تمام

زندگی کو ہر گھڑی درکار ہے آشفتگی
کون کہتا ہے کہ دل میں نالۂ خونیں کو تھام

جا رہا ہوں جانبِ کشمیر جانے دو مجھے
چھوڑ دو تم راستہ اے رہبرانِ سست گام

ہر نظر یک آزمائش ہر نفس قربان گاہ
از زبانِ پورا براہیم بشنو ایں پیام

اسلامی دستُور

اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور
اس کے علاوہ جو بھی ہوگا ہم کو نامنظور

ہم سب کا بس ایک خدا ہے ایک ہے اپنا دین
مُفلس ہوں یا دھن والے ہوں، افسر یا مزدُور

اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور

مردِ مُسلماں کی مت پوچھو قرآں کی تفسیر
گرمی میں شعلوں سے بڑھ کر، ٹھنڈک میں کافور

اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور

ظلم تو دیکھو پاکستاں میں غلّہ کا ہے کال
چوری ہے اور سینہ زوری رشوت ہے بھرپُور

اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور

بھوکے ننگے لوگ پھرے ہیں بے گھر ہے مخلوق
دل کے چھالے کھول رہے ہیں رِستے ہیں ناسور

اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور

جو بھی ہو گا کر گذریں گے جان رہے یا جائے
مانا وہ ہیں طاقت والے ہم بھی نہیں مجبور

اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور

نیکی پر چشم کھول چکی ہے سچائی پر تول چکی ہے
ظلم پڑے اب بول نہ بولے پاپ نہ ہو مغرور

اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور

"ملّا ازم" پر ہیں تنقیدیں در پردہ اسلام پہ چوٹیں
دل ہیں سوزِ یقیں سے خالی آنکھیں ہیں بے نور

اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور

دین کی خاطر کام کریں گے تن من دھن کی نذر کریں گے
جس کی جیسی ہمت ہو گی اور جتنا مقدور

اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور

میخانوں میں خاک اُڑے گی باطل کی کچھ بھی نہ چلے گی
ظلم کے شیشے چور کے ساغر ہوں گے چکنا چور

اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور

ماہر سا ناکارہ شاعر ملّت کی آواز پہ حاضر
ایسے ایسے جب ہوں مسافر پھر منزل کیا دور

اپنا مقصد، اپنی منزل اسلامی دستور

ؔ ارباب ِ عروض اسے "گیت" سمجھ کر پڑھیں۔

ساقی نامہ

پلا ساقیا! بادۂ تند و تیز
عطا کر مرے دل کو عزمِ ستیز

نگاہوں سے آتش فشانی کروں
غریبوں کی میں ترجمانی کروں

اُلٹ دوں امارت کی رنگیں بساط
زمانہ پہ کھل جائے رازِ نشاط

غریبوں کو جینے کا پیغام دوں
امیروں سے ذوقِ طرب چھین لوں

جوانوں کو دے کر خودی کا سبق
اُلٹ دوں کتابِ جہاں کا ورق

زمانہ کو تابندگی بخش دوں
عزائم کی شمعیں فروزاں کروں

ستاروں کی آنکھوں سے ٹپکے لہو
اُجڑ جائے ہر محفلِ رنگ و بو

لگا کر میں اک نعرۂ انقلاب
سیاست کے رُخ سے اُلٹ دوں نقاب

پلا ساقیا! بادۂ لالہ فام
بدل دوں خدائی کا سارا نظام

وہ پیمانہ دے جس کی اک اک لکیر
زمانہ کی فطرت کو کر دے اسیر

عطا کر مجھے بادۂ آتشیں
بھڑکنے لگے اور سوزِ یقیں

نظر دی ہے ذوقِ نظر بخش دے
مجاہد کا قلب و نظر بخش دے

امیری رہے اور نہ شاہی رہے
نہ یہ عظمتِ خانقاہی رہے

جہاں میں مساوات کا دور ہو
زمانہ کی آب و ہوا اور ہو

غلامی کے جنجال سے چھوٹ جائیں
بنائی ہوئی سب حدیں ٹوٹ جائیں

زمانہ کی ہر مشکل آسان ہو
خدا کی حکومت کا اعلان ہو

دو منظر

دربارِ کسریٰ:۔

نغمۂ بربط صدائے چنگ و نَے　　شیشہ و ساغر فروغِ موجِ مَے
لحظہ لحظہ گردشِ جام و سبو　　پَے بہ پَے رقصِ بُتانِ لالہ رُو
پردہ ہائے اطلس و کمخواب و زر　　غیرتِ فردوس سقف و بام و در
عُود و گل فانوس و نقل و انگبیں　　جنّتِ شدّاد بر روئے زمیں
ایں طریقِ عیش با جاہ و حشم　　عشرتِ جمشید زندہ در عجم
مُزدکِ و زردشت در فکر و نگاہ　　آتشِ سوزندہ معبود و الٰہ

سطوتِ شاہی بہ ایں جاہ و وقار
آدمی را آدمی پروردگار

بارگاہِ فاروقِ اعظمؓ:۔

کوزۂ گِل، بوریا، نانِ جویں　　یک قبا کہنہ شکستہ آستیں
چوبِ خُرما سقف را تمکین داد　　سادگی ایں خانہ را تزئین داد
بر درش یک حاجب و درباں نیست　　حرفِ اُو جز آیۂ قرآں نیست
تاجِ دیں بر سر جہاں زیرِ قدم　　فاتحِ روم و فلسطین و عجم
لرزہ بر اندامِ کفر از نامِ اُو　　سوزِ عشقِ مصطفےٰؐ پیغامِ اُو

تیرگی را ہم چو صبحِ مشرق کرد
درمیانِ حق و باطل فرق کرد

قرآن کی فریاد

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں، آنکھوں سے لگایا جاتا ہوں
تعویذ بنایا جاتا ہوں، دھو دھو کے پلایا جاتا ہوں
جزدان حریر و ریشم کے اور پھول ستارے چاندی کے
پھر عطر کی بارش ہوتی ہے خوشبو میں بسایا جاتا ہوں
جیسے کسی طوطے مینا کو کچھ بول سکھاتے جاتے ہیں
اس طرح پڑھایا جاتا ہوں، اس طرح سکھایا جاتا ہوں
دل سوز سے خالی رہتے ہیں آنکھیں ہیں کہ نم ہوتی ہی نہیں
کہنے کو میں اک اک جلسہ میں پڑھ پڑھ کے سنایا جاتا ہوں
جب قول و قسم لینے کے لئے تکرار کی نوبت آتی ہے
پھر میری ضرورت پڑتی ہے ہاتھوں پہ اٹھایا جاتا ہوں
نیکی پہ بدی کا غلبہ ہے، سچائی سے بڑھ کر دھوکا ہے
اک بار ہنسایا جاتا ہوں، سو بار رُلایا جاتا ہوں
یہ میری عقیدت کے دعوے قانون پہ راضی غیروں کے
یوں بھی مجھے رُسوا کرتے ہیں ایسے بھی ستایا جاتا ہوں
کس بزم میں میرا ذکر نہیں، کس عُرس میں میری دھوم نہیں
پھر بھی میں اکیلا رہتا ہوں مجھ سا بھی کوئی مظلوم نہیں

زعیم مصر حسن البنّاؒ ——— شہید ملّت

مراکش، الجزائر کی بہاریں یاد کرتی ہیں — ابھی تک قاہرہ کی رہگزاریں یاد کرتی ہیں
ترے اخوان اب تک منتظر ہیں تیری آمد کے — کہ تجھ کو تیری زندہ یادگاریں یاد کرتی ہیں

عراقی مرغزاروں کی فضائیں یاد کرتی ہیں — فلسطیں کے افق کی بھی گھٹائیں یاد کرتی ہیں
ترا سینہ کہ اک آتش کدہ تھا سوزِ ملت کا — تجھے لبنان کی ٹھنڈی ہوائیں یاد کرتی ہیں

کہیں خارا شگافی کی، کہیں آئینہ سازی کی — کہ تو میداں کا غازی بھی تھا مسجد کا نمازی بھی
ترے کردار میں تھا امتزاجِ شعلہ و شبنم — سراپا سعیِ پیہم بھی مجسم پاکبازی بھی

یقیں کی آتشِ خاموش کو بھڑکا دیا تو نے — کہ مصری نوجوانوں کا لہو گرما دیا تو نے
خرد کہتی رہی ٹھہرو بہت نازک زمانہ ہے — سفینہ کو مگر طوفان سے ٹکرا دیا تو نے

اگر یہ واقعہ ہے مذہبِ اسلام زندہ ہے
تو پھر کیا ڈر ہے تو زندہ ترا پیغام زندہ ہے

صبحِ آزادی

موجِ طوفاں کے مقابل نظر آتی ہے مجھے
ہر طرف عشرتِ ساحل نظر آتی ہے مجھے
کامیابی سرِ منزل نظر آتی ہے مجھے
صبحِ آزادیٔ کامل نظر آتی ہے مجھے

اب دھندلکے نہ اندھیرے ہیں نہ تنہائی ہے
مطلعِ نور ہے اور انجمن آرائی ہے

اب نہ خوابیدگیٔ شوق نہ افسردہ دلی
خس و خاشاک میں بھی روحِ عمل جاگ اٹھی
کس قدر شوخ ہے اندازِ نسیمِ سحری
پھول کچھ کہنے ہی والے تھے کلی بول پڑی

فکرِ گلچیں ہے نہ اندیشۂ صیاد ہمیں
وقت نے کی ہے عطا قسمتِ آزاد ہمیں

دوشِ افلاک پہ ذرات نے ڈالی ہے کمند
پستیاں ہو گئیں بس ایک اشارے میں بلند
اللہ اللہ! یہ اسلام کے مخلص فرزند
جو اڑاتے لیے جاتے ہیں ارادوں کے سمند

کارواں اپنی ترقی کا نہیں رک سکتا
سبز پرچم کسی طاقت سے نہیں جھک سکتا

کتنے دشوار مقاموں سے گزر کر آئے
کس قدر چشمِ فسوں ساز کے دھوکے کھائے
مرکزِ دید رہے کتنے اچھتے سائے
ہم مگر حرفِ شکایت نہ زباں پر لائے

جان اور مال ہی کیا عصمت و عزت دی ہے
ہم نے مٹی کے گھروندوں کی بھی قیمت دی ہے

ابھی پیغامِ محمدؐ کی ہے باقی تکمیل
فکر و دانش کو یہ اجمال ہے خود ہی تفصیل
ابھی ماحول کو ہونا ہے بہت کچھ تبدیل
ابھی کردار کے سانچے میں ڈھلے گی تخئیل

حسنِ اخلاق ہی آئینِ سیاست ہوگا
حکمِ قرآن ہی منشورِ حکومت ہوگا

مزدور سے!

تجھ کو کچھ لوگ ملیں گے جو کہیں گے تجھ سے　　آ ادھر آکہ ترے غم کا مداوا کر دیں
تیری قسمت کے ستاروں کو تجلی دیکر　　تیری راتوں میں اُجالا ہی اُجالا کر دیں
تیری کشتی ہے بہت روز سے طوفانوں میں　　اس کو ہم عشرتِ ساحل سے شناسا کر دیں
ہم کہ مستقبلِ عالم پہ نظر رکھتے ہیں　　ہم اگر چاہیں تو امروز کو فردا کر دیں

رُوس سے بھوک کی ہمرے کے دوا آئے ہیں
اے مریضو! ادھر آؤ تمہیں اچھا کر دیں

ان کی باتوں میں نہ آنا کہ بہ نامِ تریاق　　زہر کے جام مریضوں کو پلا دیتے ہیں
ان کی دُنیا ہے فقط نفس کی خواہش کا ظہور　　یہ تو انسان کو حیوان بنا دیتے ہیں
ڈال کر ذہن میں کچھ مُبہم و دلچسپ شکوک　　کفر و الحاد کے رستے پہ لگا دیتے ہیں
ان کی محفل میں نہ ایمان ملے گا نہ یقین　　ان چراغوں کو تو پہلے ہی بجھا دیتے ہیں
صرف روٹی کے مسائل کو نمایاں کر کے　　چشمِ انساں سے حقیقت کو چھُپا دیتے ہیں
ان کا وجدان ہے بیمار تو مدقوق ضمیر　　خوب و ناخوب کی تمیز مٹا دیتے ہیں
قدرِ اخلاق بدلتے ہیں کبھی قدرِ جمال　　زندگانی کو فقط کھیل بنا دیتے ہیں

یہی وہ لوگ ہیں جو سُرخ سویرے کے لیے
خونِ مزدور شرابوں میں ملا دیتے ہیں

محکوم اور آزاد

محکوم کی ہر سانس ہے اک تازہ قیامت
آزاد کی دُنیا میں مسرت ہی مسرت

پیشانیٔ محکوم پہ افلاس کا سایہ
آزاد کی ٹھوکر میں ہے گنجینۂ دولت

محکوم کے سینہ میں دہکتا ہے جہنم
آزاد کے پہلو میں مچلتی ہوئی جنت

محکوم کا اندازِ تبسم بھی ہے ماتم
آزاد کے آنسو میں جھلکتی ہوئی عشرت

محکوم ز دل تا بہ نظر مرگِ تمنا
آزاد ز سر تا بقدم زندہ حقیقت

محکوم کے ماتھے پہ ندامت کی سیاہی
آزاد کے چہرے پہ ہے جراٴت کی صباحت

محکوم کو ہے صلح و خوشامد سے سروکار
آزاد کو ہر جور سے ٹکرانے کی عادت

محکوم ہے اغراض کا اک بندۂ خودکام
آزاد ہے اک پیکرِ ایثار و مروت

محکوم کو جینے کا نہ مرنے کا سلیقہ
آزاد کو معلوم ہے ہر چیز کی غایت

ذرہ سے ہے محکوم کی آنکھوں میں چکاچوند
آزاد کو سورج سے اُلجھنے کی ضرورت

محکوم کو ہے جیت میں بھی ہار کا دھڑکا
آزاد کو دیتی ہیں شکستیں بھی بشارت

محکوم کو اک پھول کی پتی بھی ہے سب کچھ
آزاد کو ہے تنگیٔ داماں کی شکایت

محکوم کو محرومیٔ تقدیر کا شکوہ
آزاد کی کوشش سے بدل جاتی ہے قسمت

بلبل اور چکور

بلبل نے چکور سے کہا:-

برقپاروں سے بھی آگے ہے جہانِ مہر و ماہ — مل نہیں سکتی کسی کو کہکشاں کی گردِ راہ
بلبلے تا حدِ طوفاں بھی ابھر سکتے نہیں — ہم زمیں والے فلک کی سیر کر سکتے نہیں
خاک کے ذرے کہاں اور زہرہ و پرویں کہاں — یہ ہے پستی کی زمیں وہ رفعتوں کا آسماں
ماہ و انجم کی فضاؤں تک پہنچنا ہے محال — ہائے! کتنا دل شکن ہے تیری کوشش کا مآل
ہر ستارہ ایک آئینہ دکھاتا ہے مجھے — تیری سعیِ نارسا پر رحم آتا ہے مجھے

گل مرے نزدیک ہے اور چاند تجھ سے دور ہے
آہ! تیری زندگی ناکام اور مجبور ہے

چکور نے جواب دیا:-

اے اسیرِ رنگ و بو! او طائرِ گلشن نژاد — تو یہ ایں قربت ہے کتنی[1] نامراد و کم سواد
دیکھ! میری نارسائی پر مجھے طعنے نہ دے — اک ذرا اپنے گریباں کی طرف بھی دیکھ لے
خونِ دل سے داستانِ حسن رنگیں ہو گئی — کتنے پھولوں کی جوانی نذرِ گلچیں ہو گئی
باغباں نے باغ میں پھولوں سے دامن بھر لیا — تیری غیرت نے یہ کس صورت گوارا کر لیا
پھر بھی تیرے چہچہوں سے بزمِ گلشن گرم ہے — تیری فطرت کس قدر بزدل اور بے شرم ہے

باغ کے خوش رنگ پھولوں سے تعلق چھوڑ دے
یا پھر اپنے بال و پر سے دستِ گلچیں توڑ دے

[1] "کتنا" بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

مغربی تہذیب

نمود و نمائش کی شہنائیاں — حسین و دلآویز تنہائیاں
بناوٹ کا بیوپار دھوکے کا مول — کہ پیتل کے پتر پہ چاندی کا جھول
زبانوں پہ کچھ اور دلوں میں کچھ اور — زمانہ کو احمق بنانے کے طور
تبسم کے بہروپ میں زہرخند — درندہ مگر صورت گوسفند
تصنع کی موجیں ابھرتی ہوئیں — ریاکاریاں رقص کرتی ہوئیں
مروت سے نفرت حیا سے گریز — ہوس ہر قدم پر محبت ستیز
شرافت کا معیار دولت کے ڈھیر — تمدن کے دھوکے سیاست کے پھیر
پیالوں کی لے جام مے کی کھنک — نہ آنکھوں میں غیرت نہ دل میں جھجک
کتابوں کی کثرت مگر علم کم — خوشی کی خبر اور نہ عرفانِ غم
خلوصِ عمل اور نہ سوزِ یقیں — درون تیرہ سامان بظاہر حسیں

شرابیں ہیں اور ڈانسنگ[1] لاج ہے
یہی بس فرنگی کی معراج ہے

---

[1] Dancing Lodge

باتیں کریں

اہلِ دُنیا زلفِ عنبر فام کی باتیں کریں
اور ہم اللہ کے پیغام کی باتیں کریں

بوذرؓ و سلمانؓ کے جامِ شوق سے سرشار ہیں
کس لیے پھر حافظ و خیام کی باتیں کریں

وقت کے دھارے کو مڑنا ہے ہمارے ساتھ ساتھ
اس طرح سے گردشِ ایام کی باتیں کریں

محفلوں میں چل کے ہر سازِ طرب کو توڑ دیں
میکدوں میں بھی شکستِ جام کی باتیں کریں

دوستو! آؤ کہ اب کچھ کام کی باتیں کریں
چھوڑ کر ہر ذکر صرف اسلام کی باتیں کریں

اِشارے

بدر و حنین آج بھی دیتے ہیں یہ پیام
مکہ نہ ہو جو فتح تو ہجرت ہے ناتمام
یہ معرکہ عجیب قیامت سرشت تھا
زندوں پہ بھی درود، شہیدوں پہ بھی سلام

مُسلمان عورت سے!

یہ شرحِ آیۂ عصمت ہے جو ہے بیشِ نہ کم
دل و نظر کی تباہی ہے قُربِ نامحرم

سدا رہا وہ اسیرِ شکایتِ تقدیر
کہ جس نے خود نہ بنائے عمل سے لوح و قلم

ہوس کا نام محبت رکھا ہے دُنیا نے
ہوئی ہے مسخ یہاں تک تو فطرتِ آدم

ادب کی آڑ میں تزئین پا رہے ہیں گناہ
تراش رہے ہیں حرم میں بھی شاعری کے صنم

زمانہ لذتِ سوزِ یقیں سے ہے محروم
کوئی خرابِ مسرت، کوئی تباہِ الم

حیا ہے آنکھ میں باقی نہ دل میں خوفِ خدا
بہت دنوں سے نظامِ حیات ہے برہم

یہ سینما یہ کلب گھر، یہ مدرسے یہ چمن
انہی کے بھیس میں شیطان نے لیا ہے جنم

یہ نیم باز سے برقعے، یہ دیدہ زیب نقاب
چھلک رہا ہے چھلا چھل قمیص کا ریشم

تری حیات ہے کردارِ رابعۂ بصری
ترے فسانہ کا موضوع عصمتِ مریمؑ

نہ دیکھ بارِ شک سے تہذیب کی نمائش کو
کہ سارے پھول یہ کاغذ کے ہیں خدا کی قسم

وہی ہے راہ ترے عزم شوق کی منزل
جہاں ہیں عائشہؓ و فاطمہؓ کے نقشِ قدم

اندھی بھکارن

سلوٹیں ماتھے کی نم آلود رخساروں پہ گرد
خشک ہونٹوں کی لکیروں میں ہے لرزاں آہِ سرد

بال بیوہ کے مقدر کی طرح الجھے ہوئے
ضعف کی شدت سے پڑتے ہیں قدم بہکے ہوئے

نیم کے ٹوٹے ہوئے تنکے پڑے ہیں کان میں
جا رہی ہے چند باسی روٹیوں کے دھیان میں

پسلیوں کی ہڈیاں نکلی ہوئیں ابھری ہوئیں
سنگریزوں کی زمیں اور پنڈلیاں سوجی ہوئیں

چند امیدیں مگر مبہم اشارے کی طرح
زیست لیکن ڈوبنے والے ستارے کی طرح

ہیں بدن پر اوڑھنی کی دھجیاں لٹکی ہوئیں
خانقاہوں میں ہوں جیسے نیکیاں بھٹکی ہوئیں

ملگجے کرتہ میں پیوندوں کی حالت کیا کہوں
جی میں آتا ہے کہ اس دنیا کا سینہ چیر دوں

پتلیاں بے نور، زخمی پاؤں، منزل سخت دور
زندگی کی تلخیوں سے شیشۂ دل چور چور

ہاتھ میں ٹوٹی سی لکڑی، رہبرِ راہِ وفا
چلچلاتی دھوپ، تپتی ریت، گرمی کی ہوا

مفلسی میں کور چشمی کی مصیبت ہائے ہائے
ہر قدم پر ہے اسے خطرہ کہ ٹکر ہو نہ جائے

تھوڑی تھوڑی دور پر اٹکل سے کتراتی ہوئی
جا رہی ہے راستہ میں ٹھوکریں کھاتی ہوئی

دے رہی ہے کس تمنا سے صدا ہر گام پر
دے خدا کے نام پر دلوا خدا کے نام پر

چلتے چلتے رک گئی مجروح دل، زخمی جگر
پیڑ کے نیچے دکاں کے پاس ہی فٹ پاتھ پر

بولا چلا کر سپاہی اس کو بیٹھا دیکھ کر
یہ سڑک ہے دیکھ! او اندھی نہیں باوا کا گھر

اپنی لکڑی ٹیک کر اٹھی وہ یہ کہتی ہوئی
مانتی ہوں میں سپاہی جی! بڑی غلطی[۱] ہوئی

آپ کے اس راستہ پر اب نہ بیٹھوں گی کبھی
تھوکیے غصہ کو میں تو ہوں بھکارن آپ کی

اپنی لکڑی کے سہارے راہ میں چلنے لگی
اتفاقاً خوانچے والے سے ٹکر ہو گئی

خوانچے کے ساتھ ہی پکی زمیں پر گر پڑے
سونٹھ کا پانی، دہی مرچیں نمک آلو بڑے

لگ گئی اک بھیڑ سی چلتے مسافر رک گئے
اک تماشا تھا یہ منظر راہ گیروں کے لیے

دیکھ کر مجمع کو تھانہ کا سپاہی آ گیا
سارا قصہ خوانچے والے نے رک رک کر کہا

واقعہ سن کر ہوا وہ سخت تند و خشمگیں
نطق کے سانچے میں پیہم گالیاں ڈھلنے لگیں

ہم پولس والے ہیں ہم کو سب خبر ہے حال چال
یہ بھکارن کاہے کو ہے یہ تو ہے پکی چھنال

مانگ کر پیسے پیا کرتی ہے چنڈو رات کو
جانتا ہوں ایک مدت سے میں اس بدذات کو

گالیاں دیتے ہوئے ڈنڈے کو جنبش دی گئی
خوب اس اندھی بھکارن کی تواضع کی گئی

آج کرنا ہے مجھے اہلِ سیاست سے سوال
کیا اسی قانون کا منشا ہے حفظِ جان و مال

کیا یہی دستور ہے انسانیت کے واسطے
کیا ضروری ہیں مظالم سلطنت کے واسطے

کیا اسی قانون سے قائم ہے نظمِ سلطنت
کیا "ڈسپلن" میں یہی ہوتی ہے مجبوروں کی گت

کیا ہوئی قانون کی روشن نگاہِ احتساب
کیا یہی عدل و توازن ہے دیا جائے جواب

کیا بنی ہے اہلِ دولت کے لئے ہی یہ زمیں
مفلسوں کی زندگی کیا زندگی ہوتی نہیں

۱۔ بھکارن کی زبان

افسروں کے واسطے موٹر بھی ہیں پنکھے بھی ہیں　　خوشنما دفتر بھی ہیں جنت نشاں بنگلے بھی ہیں

چین ہے آرام ہے بھتے ہیں تنخواہیں بھی ہیں　　بہرِ جلبِ منفعت سو طرح کی راہیں بھی ہیں

اور غریبوں کے لیئے پابندیاں مجبوریاں

طبعِ نازک پر ہے اک حرفِ شکایت بھی گراں

یہ نظامِ خود تراشیدہ تہ و بالا کریں　　آؤ اس دنیا میں اک دنیا نئی پیدا کریں

اِن حدودِ افسری و سروری کو توڑ دیں　　پھر نئے سر سے شکستہ آئینوں کو جوڑ دیں

صرف تقوے پر ہو انساں کی بڑائی کا مدار　　گلشنِ ہستی میں پھر اگلی سی آجائے بہار

ہم کو وہ قانون اور ایسی حکومت چاہیئے

جس میں اک بڑھیا خلیفہ کا گریباں تھام لے

آج بھی!

فتنے اُسی طرح سے ہیں بیدار آج بھی
مَیں دیکھتا ہوں حشر کے آثار آج بھی

افراد پر ہے سایۂ انکار آج بھی
تسبیح میں ہے رشتۂ زنّار آج بھی

سرمایہ خود پسند ہے افلاس خود فروش
باقی نہیں ہے عظمتِ کردار آج بھی

دل میں اُسی طرح سے ہیں تالے پڑے ہوئے
کُھلتے نہیں ہیں ذہن پہ اسرار آج بھی

انساں ہی کی سعیٔ مسلسل کے باوجود
انساں ہے بندِ غم میں گرفتار آج بھی

اہلِ ہوس کی سازشیں بروئے کار ہیں
رُسوا ہیں اہلِ دل سرِ بازار آج بھی

کچھ پاسِ احتیاط ہے کچھ خوفِ دار و گیر
ہیں بند بند سے لبِ اظہار آج بھی

صحنِ زمیں ہے تنگ غریبوں کے واسطے
ملتا نہیں ہے سایۂ دیوار آج بھی

اللہ! یہ تمدن و تہذیب کا فروغ
انسانیت ہے خستہ و بیمار آج بھی

زردار کے حضور جبینیں جھکی ہوئیں
دنیا ہے ظالموں کی طرفدار آج بھی

مٹ جائے گا جہاں سے وہ ہو فرد یا کہ قوم
اسلام سے ہے جو کوئی بیزار آج بھی

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

تری فکرِ رسا نے خاک کے ذرّوں کو چمکایا
کہ تو سچ مچ فلک سے چاند تارے توڑ کر لایا
سبق تبلیغِ دینِ حق کا اس خوبی سے دُہرایا
غریبوں کو بھی دعوت دی امیروں کو بھی سمجھایا
وہ شدت قیدِ تنہائی کی وہ گرمی وہ تاریکی
مگر اس پر بھی تیرا غنچۂ خاطر نہ مرجھایا
تری فطرت میں ہے سنجیدگی بھی استقامت بھی
مسرت میں نہ اترایا، مصائب میں نہ گھبرایا
جہاں جس کی ضرورت تھی وہی تدبیر کی تو نے
کبھی کشتی کو جنبش دی کہیں موجوں کو ٹھہرایا
تری تحریر کا ہر لفظ خود روشن شہادت ہے
کہ تو نے کس قدر دشوار تر عقدوں کو سلجھایا
ترے انفاس میں خوشبو ہے گلہائے شریعت کی
کہ جس نے محفلیں کیا قید خانوں کو بھی مہکایا
بہ ہر عنوان نادانوں نے تجھ پر تہمتیں جوڑیں
تری تحریر کو اُلٹا، تری باتوں کو اُلجھایا

وہاں خود دعوتِ حق لیکے تیرے خوشہ چیں پہنچے
جہاں کچھ روشنی دیکھی جہاں سوزِ جگر پایا

ترے دل کا سفینہ کیا سکوں ناآشنا نکلا
کبھی طوفان سے اُلجھا، کبھی ساحل سے ٹکرایا

تری تقریر پر اُردو زباں صد آفریں بولی
نگارش پر تری حُسنِ ادب نے ناز فرمایا

ترے سُود و زیاں کا ہے رضائے دوست پیمانہ
کہ تو نے ہر قدم پر عشرتِ باطل کو ٹھکرایا

جزاک اللہ! دماغوں کو عطا کی فکرِ قرآنی
جزاک اللہ! دلوں کو سوزِ ایمانی سے گرمایا

فسردہ ہو نہیں سکتے کسی سے دب نہیں سکتے
وہ شعلے جن کو تیری جنبشِ دامن نے بھڑکایا

ترے دل پہ رہے پرتو فگن سیرت محمدؐ کی
ترے افکار پہ ہر آن ہو قرآن کا سایا

یقیناً اس تری جرأت کو دنیا یاد رکھے گی
سزائے موت سُن کر بھی نہ پیشانی پہ بل آیا

آیاتِ عمل

خانقاہوں میں جو قالین سجا رکھے ہیں
دام ہمرنگِ زمیں ہیں کہ بچھا رکھے ہیں
شیخ خود بھی ہیں بہت وضع کے پابند مگر
کچھ مُریدوں کو بھی آداب بتا رکھے ہیں
مدرسوں میں ہے وہی بحثِ کلام و منطق
اور قرآن کے اسرار چھپا رکھے ہیں
زہدِ خاموش سے ہنگامۂ رندی اچھا
میکدے والوں نے فتنے تو اٹھا رکھے ہیں

سجدۂ تکبیر

سجدۂ شکر بھی ہے نعرۂ تکبیر بھی ہے
عید کا چاند کہ محراب بھی شمشیر بھی ہے

ظلمتِ شب ہی نہیں صبح کی تنویر بھی ہے
زندگی خواب بھی ہے خواب کی تعبیر بھی ہے

صرف تقدیر و مشیت پہ قناعت کیا خوب
تیرے ترکش میں کوئی ناوکِ تدبیر بھی ہے

پوچھ لیتا ہوں یہ رُک رُک کے حدی خوانوں سے
کارواں پر اثرِ نالۂ شب گیر بھی ہے؟

کس نے پھونکا ہے مرا دل کہ یہ خاکسترِ دل
خاک کی خاک ہے اکسیر کی اکسیر بھی ہے

اُس نے فرمایا جب تجھے آزاد کیا
یہ نوازش ہی مرے واسطے زنجیر بھی ہے

رہنما قوم کے سادہ بھی ہیں پرکار بھی ہیں
سعیٔ تخریب بھی ہے کوششِ تعمیر بھی ہے

یہ حقیقت ہے کہ انساں کی تباہی میں شریک
فتنۂ رُخ ہی نہیں فتنۂ تصویر بھی ہے

مشورے

ان میں تلوار کی تیزی بھی ہے — آبگینوں کی نزاکت پہ نہ جا
قول اور فعل کے آہنگ کو دیکھ — ظاہری جوشِ عقیدت پہ نہ جا
حُسنِ کردار ہے معیارِ شرف — خاندانوں کی شرافت پہ نہ جا
کتنے سینوں میں دہکتے ہیں شرار — صرف چہروں کی بشاشت پہ نہ جا
حق و باطل کی کشاکش کو سمجھ — جنگِ سرمایہ و محنت پہ نہ جا
جھوٹ پُر پیچ ہُوا کرتے ہیں — شوخیٔ رمز و اشارت پہ نہ جا
دیکھ اس زہر کا تریاق نہیں — لبِ میگوں کی حلاوت پہ نہ جا
ہوں جو دنیا کی ہوا کے ساتھی — ایسے لوگوں کی رفاقت پہ نہ جا
ڈھونڈھ! اللہ کے قانون کی روح — اہلِ ایماں کی حکومت پہ نہ جا
ایک دنیا ہے گناہوں کی مریض — صرف اجسام کی صحت پہ نہ جا

حُسنِ معنیٰ پہ نگاہِ تنقید
میرے لفظوں کی لطافت پہ نہ جا

اپنے حاسدوں سے!

خواہ بو جہل کا ہو دور کہ عہدِ فرعون
حق و باطل کا ہمیشہ سے رہا ہے ٹکراؤ

منزلِ حق میں ہر اک جور گوارا ہے مجھے
چاہے دشنام کے ہوں زخم کہ تلوار کے گھاؤ

میرا سرمایۂ عزت ہے نثارِ اسلام
مجھ کو بدنام کرو شوق سے تہمت بھی لگاؤ

میں اِدھر عزمِ براہیمؑ کو محکم کر لوں
تم اُدھر آتشِ نمرود کو پیہم بھڑکاؤ

خورد بینوں سے نہ دیکھو مرے دامن کو ابھی
پہلے تم اپنی جبینوں کی سیاہی تو مٹاؤ

آہ! وہ ذہن جو صورت گرِ افکار نہ ہو
ہائے! وہ فکر کہ جس فکر کا حاصل اُلجھاؤ

صرف نعروں سے نہ مرعوب کرو دُنیا کو
تم اگر قول کے سچے ہو دلیلیں بھی تو لاؤ

مَیں کسی خوف سے خاموش نہیں رہ سکتا
ظلمتِ شام کو مَیں صبح نہیں کہہ سکتا

یہ دُنیا ۔۔۔!

کس قدر فتنہ ساز ہے دُنیا — کتنی سفلہ نواز ہے دُنیا
کتنے دوزخ ہیں بند سینوں میں — کتنے دشنے ہیں آستینوں میں
کھیتیاں نیکیوں کی جلتی ہیں — سازشیں پھولتی ہیں پھلتی ہیں
کینہ سازی ہنسی کے پردے میں — دشمنی دوستی کے پردے میں
میٹھی باتیں نہیں اداکاری — سر سے پا تک فقط ریاکاری
جھوٹ لالچ، غرض ہے سازش ہے — زندگی کیا ہے اک نمائش ہے
عاجزی ہے کبھی، کبھی ہے غرور — ہر قدم پر منافقت کا ظہور
قہقہے زہر میں بجھے نشتر — دل ہے فولاد، نرم ہیں تیور
کوئی بھی آدمی ہو برسرِکار — کہہ دیا اُس کو اپنا رشتہ دار
شیخیاں رعب ڈالنے کے لئے — پستیوں کو اُچھالنے کے لئے
اس درندگی کی بھی کوئی حد ہے — کبھی دھمکی کبھی خوشامد ہے
زہر پیمانۂ شرافت میں — اژدہا آدمی کی صورت میں
ظلم کے جال مکر کے پھندے — لوبھ کے اور کپٹ کے ہیں دھندے
دور کالوں کا ہے نہ گوروں کا — ہے زمانہ شریف چوروں کا

پست جذبات جب اُبھرتے ہیں
لوگ محسن کشی بھی کرتے ہیں

اک طرف بے غرض مروّت ہے
اک طرف چال ہے سیاست ہے

اس طرف نہر، اُدھر ہے آبِ حیات
خشک سالی وہاں، یہاں برسات

داغِ دل کے چھپاؤں گا کب تک
غم میں بھی مسکراؤں گا کب تک

اے خدا! منتقم ہے تیری ذات!
اس کشاکش سے کب ملے گی نجات

اِن کو پہچانئے!

رقص کے جلسوں کے یہ امام — قوم کو دیں گے کیا پیغام
دل میں بُت خانے پنہاں — لب پر ہے اسلام اسلام
اِن کے گھر کیوں آئے گا — یہ بے چارہ ماہِ صیام
کوئی مرے مر جانے دو — ان کو اپنے عیش سے کام
ان کی بوتل قوسِ قزح — اِن کے ساغر ماہِ تمام
روح کہاں بس ڈھانچے ہیں — تیغیں کیسی صرف نیام
بیوی شوہر کے آگے — نامحرم سے گرمِ کلام
راج محل میں ناچ اور رنگ — پرجا کے گھر میں کہرام
جام و سبو اور قوم کا غم — پھول کی سیج اور فکرِ عوام

جشنِ آزادی کی قسم
فکر و نظر ہیں اب بھی غلام

جائزہ

یہ کیا ہو رہا ہے؟

قوم کی قوم ہی آسودۂ غفلت ہے ابھی
کیا کسی اور تباہی کی ضرورت ہے ابھی

سنگ و آہن کے بھی سینوں میں شرر جاگ اُٹھے
چشمِ انساں ہے کہ محرومِ بصیرت ہے ابھی

قصر و ایواں کی بہاروں کا وہی عالم ہے
جھونپڑوں کی وہی اُجڑی ہوئی حالت ہے ابھی

خواہ دفتر کے ہوں ایواں کہ تصوف گاہیں
وہی جلوے وہی ملنڈے وہی رشوت ہے ابھی

یہ بھی اک مصلحتِ وقت کا ہے لطف و کرم
شیخ کے سر پہ جو دستارِ فضیلت ہے ابھی

وہی شاہانہ تجمل وہی محلوں کا شکوہ
وہی جلوت، وہی خلوت، وہی نخوت ہے ابھی

لب پہ وہ مہرِ خموشی کہ الٰہی توبہ!
دل کا یہ حال کہ لبریزِ شکایت ہے ابھی

وہی قانونِ فرنگی، وہی دستورِ عمل
وہی خود ساختہ آئینِ سیاست ہے ابھی

ہم نے مانا کہ ہیں آزاد زمینوں کے حدود
نگہ و دل پہ تو غیروں کی حکومت ہے ابھی

آنکھ پھر منتظرِ صبحِ قیادت ہے ابھی
ایک فاروقؓ کی دنیا کو ضرورت ہے ابھی

علمائے کرام سے!

(استقبال علماء منعقدہ ۱۵ر فروری ۵۲ء کے پہلے اجلاس میں شاعر کی زبان سے!)

پاکستان، ہند، مصر، شام، عراق، الجزائر، افغانستان، برما، انڈونیشیا اور آزاد کشمیر کے علماء کے علاوہ وزیر اعظم پاکستان اور حضرت مفتی اعظم فلسطین اور دوسرے عمائد و اکابر بھی جلسہ میں تشریف فرما تھے۔

عالمانِ دینِ حق! اہلاً و سہلاً مرحبا
آپ کی تشریف فرمائی کا دل سے شکریہ

تھیں نگاہیں منتظر اس ربطِ باہم کے لئے
دل بچھے جاتے تھے سب کے خیر مقدم کے لئے

اہلِ حق کی یہ توجہ غم شناسوں کی طرف
یعنی موجیں خود چلی آتی ہیں پیاسوں کی طرف

یہ عمامے یہ عبائیں یہ جلالت یہ وقار
علم و فضل و مرتبت ہیں تیوروں سے آشکار

شعر کے خاکے میں دل کا خون بھرنا ہے مجھے
معذرت کرتے ہوئے کچھ عرض کرنا ہے مجھے

یہ حقیقت آپ کو اچھی طرح معلوم ہے
آج دینِ حق جہاں میں ہر جگہ مظلوم ہے

دین سے بیزار دولت مند بھی نادار بھی
نفس کی خواہش کے بندے شیخ بھی میخوار بھی

قوم کی وہ بیٹیاں جن کو کہ بننا تھا بتولؓ
مدرسوں میں سیکھتی ہیں ناچ گانے کے اصول

جھلملاتے جا رہے ہیں شرم و غیرت کے چراغ
روز چکنا چور ہو جاتے ہیں عصمت کے ایاغ

مال و زر جاہ و تعیش منزلِ مقصود ہے
آدمی کا اس جہاں میں آدمی معبود ہے

جس کسی کو دیکھئے تن پروری کی فکر ہے — عشرتوں کے پیچھے ہیں سر خوشی کا ذکر ہے
زندگی نان و شکم کے ماسوا کچھ بھی نہیں — دل میں سب کا خوف ہے خوفِ خدا کچھ بھی نہیں
ہر طرف باطل کے پھندے ہر طرف بازیگری — روس کا فتنہ بھی ہے اور لعنتِ افرنگ بھی
ملک ہیں آزاد لیکن دل پہ غیروں کا ہے راج — دوسروں کے گھر سے آتے ہیں ابھی تک تخت و تاج
اپنی منزل سے ہیں اب تک ناشناس و بے خبر — مطمئن ہیں آج تک ہم کفر کے دستور پر

ہائے! وہ اسلام جو مسجد میں گھر کر رہ گیا
خانقاہوں کی بھی تنہائی کے صدمے سہہ گیا

جب یہ حالت ہو تو پھر جشنِ مسرت کیا منائیں — آؤ ہم اک دوسرے کو اپنے داغِ دل دکھائیں
صرف جلسے منعقد کرنا کوئی مشکل نہیں — یعنی رسمی اجتماعوں کا کوئی حاصل نہیں
جمع ہو جانا بہت اچھا مگر مقصد کے ساتھ — جوش و ہمت عزم و جرأت جذبۂ تجدید کے ساتھ
تم کہ تم ہو وارثِ علمِ محمد مصطفےٰ — ہے تمہاری زندگی دعْ ما کدر خُذ ما صفا
اپنے فرضِ منصبی کو بھی سمجھنا چاہیئے — تم کو ہر باطل کی قوت سے الجھنا چاہیئے
خامہ و قرطاس کی منزل سے اور آگے بڑھو — قصر و ایواں کی بلندی پر کمندیں ڈال دو
احمدِ حنبلؒ کی حق گوئی کی بن جاؤ مثال — کانپ اُٹھے امیروں بادشاہوں کا جلال
مذہبِ اسلام ہے پورا نظامِ زندگی — حق نے فرمایا ہے اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي
جو غلط کاری پہ آمادہ ہو اس کو ٹوک دو — روک دو طاغوت کے طوفاں کو بڑھ کر روک دو

ہر مسلماں دینِ فطرت کا علمبردار ہو،
علم اور تقویٰ کے ہاتھوں میں زمامِ کار ہو

جماعتِ اسلامی کے معترض[1]

کچھ مصلحت شناس ہیں کچھ کشتۂ فرنگ
کچھ دیکھتے ہیں اپنے زمانے کے رنگ ڈھنگ

ان میں بہت سے لوگ سیاست گزیدہ ہیں
جن کے تخیلات ابھی نارسیدہ ہیں

کچھ ہیں فسونِ شاہی و پیری کے پھیر میں
کچھ اس خیال میں ہیں کہ چونکیں گے دیر میں

کتنوں کو ربط ہے فقہی رشتوں کے ساتھ
وابستہ کتنے لوگ ہیں کچھ نسبتوں کے ساتھ

کچھ بے خبر بھی ان میں ہیں کچھ اہلِ خبر بھی ہیں
کچھ سادہ لوح بھی ہیں کچھ اہلِ نظر بھی ہیں

کچھ صاحبانِ جبہ و دستار و دلق ہیں
جو اپنے آستانوں پہ "معبودِ خلق" ہیں

کچھ اس غرور میں کہ ہمیں "اہلِ ذکر" ہیں
آگاہ سرِّ دین ہیں اربابِ فکر ہیں

کتنوں کے ایک لفظ پہ تیور بگڑ گئے
کچھ اپنی شخصیت کے تصور پہ اڑ گئے

تہمت تراش ان میں ہیں اور کچھ ہیں بے یقین
کچھ فطرتاً شریر ہیں کچھ ہیں مذبذبین

کچھ چاہتے ہیں صرف دعاؤں سے انقلاب
کچھ کھا رہے ہیں آپ ہی بے وجہ پیچ و تاب

جو چاہتے ہیں راہ میں بکھرے ہوئے ہوں پھول
وہ آزمائشوں کے تصور سے ہیں ملول

مارے ہوئے ہیں ان میں بہت خانقاہ کے
سمجھے نہیں ہیں بھید ابھی "لا الٰہ" کے

---

[1] جماعتِ اسلامی کے نام پر بعض حضرات نے اعتراض وارد کیے ۔

انقلاب زندہ باد

اٹھ گئے راحت و سکوں کے حجاب
اب کہاں دورِ اطلس و کمخواب
منتشر ہے بساطِ رنگ و بُو
خار و خس میں اُلجھ رہے ہیں گلاب
رہ گئے ٹھوکروں میں پِس پِس کر
لعلِ شب تاب و گوہرِ نایاب
جام و مینا کے ہو گئے ٹکڑے
خاک بر سر ہیں بادہ ہائے ناب
ہو گئیں راکھ چلمنیں خس کی
بن گئی آگ خنکیٔ برفاب
پُرزے پُرزے ہیں سازہائے نشاط
پارہ پارہ ہیں زخمہ و مضراب
ہو کے خاموش ٹوٹ ٹوٹ گئے
چنگ و بربط نفیر و عود و رباب
قصر و ایوان کی ہل گئی بنیاد

زد میں طوفاں کی آ گئے ہیں حباب
کشتیٔ زر، سفینۂ دولت
آ کے ساحل پہ ہو گئے غرقاب
دستِ مزدور میں ہے دامنِ شاہ
جیسے سچ مچ ہے گرم روزِ حساب
کس مپرسی کی کشمکش میں ہیں
صاحبِ اتقیا نہ وہ اہلِ خطاب
رہ گئی مٹ کے سطوتِ نمرود
تھی جو روزِ ازل سے نقش بر آب
جس میں رقصاں تھے مال و زر کے جہاز
وہ سمندر ہی ہو گیا پایاب
آنے والا ہے دورِ جمہوری[1]
اور شاہنشہی ہے پا بر کاب
دیکھ کر یہ سماں بہت سے لوگ
کھا رہے ہیں ہزار پیچ و تاب
کھلتے جاتے ہیں رازِ آزادی
رُخِ فطرت سے اُٹھ رہی ہے نقاب

مٹ گیا فرقِ حاکم و محکوم — اب کوئی بھی نہیں حضور و جناب
کر دیا ہر غلام کو آزاد — زندہ باد انقلاب زندہ باد

[1] اسلامی جمہوریت

گزارش

اگلی باتوں کو بھول جا اَے دوست — تھا وہ خواب گریز پا اَے دوست
وہ ہوسناکیاں، خدا کی پناہ! — جیسے طوفاں گزر گیا اَے دوست
نرم لہجہ دبی دبی آواز — وہ تبسم رُکا رُکا اَے دوست
منزلِ ضبط و شوق سے آگے — میں بھی کوسوں نکل گیا اَے دوست

حُسن اور منتیں محبت کی
ہائے! تُو نے یہ کیا کیا اَے دوست

اب نہ زلفوں کی دے ہوا اَے دوست — میں بہت کچھ بدل گیا اَے دوست
اب نہ انگڑائیوں کی زحمت کر — وہ تصور نہیں رہا اَے دوست
میری خاطر تو زینتِ خواب نہ رکھ — اپنے چہرے کو اوڑھ کھلا اَے دوست

میری دلچسپی و خوشی کے لئے
بھول کر بھی نہ مسکرا اَے دوست

اپنی پرچھائیں سے بھی بچ کر چل — ہے زمانہ بہت بُرا اَے دوست
رکھ نہ شعر و سخن سے دل چسپی — شاعری خود ہے اک بلا اَے دوست
آدمی کے لئے ضروری ہے — عفت و عصمت و حیا اَے دوست
جو محبت تھی دو دلوں کی امید — اُس محبت کا واسطا اَے دوست

دیکھتے ہی نظر جھکا لینا
ہو جو میرا بھی سامنا اے دوست

مرد عیش و ہوس کے بھوکے ہیں
اُن کی جانب نہ دیکھنا اے دوست

چاند تاروں کی بھی نگاہوں سے
حُسنِ معصوم کو چھپا اے دوست

کتنی نازک ہیں چوریاں دل کی
کتنے ڈاکو ہیں پارسا اے دوست

پاپ سے ہے بھرا ہُوا سنسار
میرے رنگین و خوش ادا اے دوست

مت کسی پر کبھی بھروسا کر
میری باتوں پہ بھی نہ جا اے دوست

ہو سکے تو معاف کر دینا
میرا سب کچھ کہا سُنا اے دوست

نزہت کی کامیابی (امتحان) پر

کامیابی پہ جو شاداں ہے تو اے جانِ عزیز! | اور کیا چیز ہے اللہ کی رحمت کے سوا
دوستوں اور عزیزوں کے دلوں میں یہ فضا | کوئی جذبہ ہی نہیں آج مسرت کے سوا
کوئی پیغام مرے پاس نہیں تیرے لئے | درس و تلقین کے سوا وعظ و نصیحت کے سوا
علم، اخلاق کے جوہر کو جلا دیتا ہے | علم کچھ بھی نہیں توفیقِ سعادت کے سوا
علم ہر جہل کے پردے کو اٹھا دیتا ہے | علم کچھ بھی نہیں عرفانِ حقیقت کے سوا
ڈگریاں تو ہیں زمانہ کو دکھانے کیلئے | یہ نمائش نہیں کچھ نمودِ طبیعت کے سوا
مقصدِ علم ہے پاکیزگیٔ فکر و خیال | علم کچھ بھی نہیں تقدیسِ فراست کے سوا
علم بے جذبۂ تقویٰ سے تو جہالت اچھی | جس کا حاصل نہیں افسوس و ندامت کے سوا
حسنِ معصوم! تجھے جذبۂ غیرت کی قسم | گھر سے باہر نہ قدم جائے ضرورت کے سوا
پھر بھی ہے غیرتِ صد نورِ جہاں ہر عورت | ایک زیور بھی نہ ہو گوہرِ عصمت کے سوا
دینِ فطرت ہے زمانہ میں فقط اک اسلام | دوسری راہ نہیں راہِ شریعت کے سوا
دیکھ! تہذیبِ فرنگی ہے نرا دھوکا کھانا | اس اُجالے میں تو کچھ بھی نہیں ظلمت کے سوا
آج سے کر اسی پرچہ کے لئے تیاری | جو ملے گا نہ تجھے روزِ قیامت کے سوا

میرا تحفہ ہے یہی، میری محبت ہے یہی
کچھ نہیں پاس مرے شعر کی دولت کے سوا

ماتمِ شباب

(ایک حسین عورت خوابِ جوانی سے بیدار ہو جانے کے بعد)

کششِ حسرتِ دیدار کہاں سے لاؤں
مستیٔ نرگسِ بیمار کہاں سے لاؤں

حُسنِ رنگینیٔ افکار کہاں سے لاؤں
اب میں وہ نطقِ گہربار کہاں سے لاؤں

وقت نے چھین لیا ساقِ بلوریں سے گداز
اب میں وہ شوخیٔ رفتار کہاں سے لاؤں

اب نہ آنکھوں میں چمک اور نہ عارض میں دمک
آہ! وہ بارشِ انوار کہاں سے لاؤں

اب نہ باتیں مری دلچسپ نہ آواز میں لوچ
یعنی وہ نرمیٔ گفتار کہاں سے لاؤں

ہائے! وہ جوشِ جوانی وہ امنگوں کی بہار
اب میں وہ دولتِ بیدار کہاں سے لاؤں

آہ! وہ موجِ ہوس جس نے مجھے لوٹ لیا
ہائے! وہ عصمتِ کردار کہاں سے لاؤں

دل میں گرمی نہ رہی شوق میں تیزی نہ رہی
شعلۂ آتشِ رخسار کہاں سے لاؤں

جس نے کچھ روز زمانہ میں خدائی کی ہے
آج وہ حُسن کا پندار کہاں سے لاؤں

وہ تبسّم کی جھلک ہے نہ وہ ابرو کی لچک
اب میں چلتی ہوئی تلوار کہاں سے لاؤں

چشمِ میگوں ہے کہ ویران نظر آتی ہے
حاصلِ تمانہ خمار کہاں سے لاؤں

نہ وہ شوخی نہ امنگیں نہ وہ اندازِ خرام
اب میں پازیب کی جھنکار کہاں سے لاؤں

چلو!

بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھاتے ہوئے چلو
ایقان کے چراغ جلاتے ہوئے چلو

جن کو مٹا سکے نہ کوئی دورِ انقلاب
کچھ ایسے نقش بھی تو بناتے ہوئے چلو

جاگے ہوؤں کو گرمیٔ رفتار بخش دو
سوتے مسافروں کو جگاتے ہوئے چلو

انکار نے دلوں کو بہت سرد کر دیا
سوزِ یقیں سے آگ لگاتے ہوئے چلو

ضامن ہے عافیت کی سلامت روی کی چال
کہنا ہے کون حشر اُٹھاتے ہوئے چلو

دل میں خدا کا خوف نہیں ہے تو کچھ نہیں
یہ بات ہر کسی کو بتاتے ہوئے چلو

شایانِ التفات فقط پھول ہی نہیں
کانٹوں کی تشنگی بھی بُجھاتے ہوئے چلو

اب وقت ہے کہ شعر و ادب کی زبان سے
مفہومِ لا الٰہ بتاتے ہوئے چلو

گرلز کالج کی "لاری" دیکھ کر

یہ تاک جھانک یہ آرائش لب و رخسار
یہ جمپروں کی نمائش یہ ساریوں کی بہار

یہ قہقہوں کے ترانے یہ چھیڑ چھاڑ کا رنگ
یہ شوخیوں کی ہر اک موڑ پر حیا سے جنگ

ہوا کی موج سے زلفوں کے پیچ ہیں رقصاں
یہ شوخ و شنگ نگاہوں میں تجربے غلطاں

یہ ڈالیوں کی لچک سی گداز باہوں میں
کہ جیسے رقص ہو پریوں کی جلوہ گاہوں میں

جبین و عارض و کاکل تمام زیبائی
ز فرق تا بقدم عالم خود آرائی

خدا بچائے یہ کالج کی تربیت کا اثر
نگاہیں ڈالتی جاتی ہیں راہ گیروں پر

گلی کے موڑ پہ کاغذ گرے نشانی کے
عجیب طور ہیں مغرب زدہ جوانی کے

ہنسی خوشی کی یہ باتیں ہیں دل لگی کے لئے
کہ خودکشی کے ارادے ہیں زندگی کے لئے

یہ دوڑتی ہوئی "لاری" نظر جو آتی ہے
وطن کی عزت و غیرت کی لاش جاتی ہے

....نہیں رہے؟؟

اب جوشِ اضطراب کے ساماں نہیں رہے
ساحل کو ہے گلہ کہ وہ طوفاں نہیں رہے

خونِ جگر سے کھیلنے والے کہاں گئے
قطرے لہو کے زینتِ داماں نہیں رہے

جن کے جنوں پہ ناز تھا فصلِ بہار کو
وہ عاشقانِ چاکِ گریباں نہیں رہے

پھولوں میں نازکی ہے نہ کانٹوں میں سختیاں
صحرا نہیں رہے وہ گلستاں نہیں رہے

جن کے حضور سطوتِ کسریٰ تھی سجدہ ریز
وہ بوریا نشین سلیماں نہیں رہے

تیغوں کے زخم دب گئے اچھائیوں ہی سے
سجدوں کے داغ بھی تو نمایاں نہیں رہے

جن کی نشید نغمۂ بیدار بن گئی
وہ کاروانِ دل کے حُدی خواں نہیں رہے

تھی جن کی فکر حاصلِ پروازِ جبرئیل
وہ حاملانِ معنیٔ قرآں نہیں رہے

جن کے لئے تھی "انتم الاعلون" کی نوید
اللہ کیا ہوا وہ مسلماں نہیں رہے

گزر جا

یہ منظرِ دلچسپ دمِ صبح، سرِ شام
افلاک کے زینے یہ ستاروں کے در و بام
یہ موجۂ انوار، جہاں سیر سبک گام
دل بھی ہے کشاکش میں نگاہیں بھی تہِ دام
ہر مرحلۂ شمع و شبستاں سے گزر جا

یہ گردشِ ایام یہ تنظیمِ مہ و سال
رفتارِ زمانہ کبھی ماضی ہے کبھی حال
نیرنگیٔ عالم یہ بدلتے ہوئے احوال
ہر چیز پہ بس ایک اچٹتی سی نظر ڈال
اور ہر روشِ عالمِ امکاں سے گزر جا

شاخوں پہ دمکتے ہوئے شبنم کے یہ گوہر
فردوس کے آثار ہیں ایک ایک روش پر
یہ سرو و گل و لالہ و نسرین و صنوبر
گلشن کی ہوائیں ہیں معطر ہی معطر

اس انجمنِ سنبل و ریحاں سے گزر جا

یہ شوخ پری چہرہ گُل اندام و خوش آواز
سر تا بقدم شوخی و رنگینی و انداز
نوخیز جواں سال نظر باز فسوں ساز
شوخی کبھی غمزہ کبھی نخوت ہے کبھی ناز

جذبات کے اُٹھتے ہوئے طوفاں سے گزر جا

ساغر کی کھنک قلقلِ مینا کی صدائیں
برسات کی رُت، موسمِ گُل، سرد ہوائیں
چھائی ہوئی افلاک پہ بدمست گھٹائیں
ساقی کی نوازش میں ادائیں ہی ادائیں

ٹھکرا کے مے و جامِ خُمستاں سے گزر جا

یہ دشت و جبل، صحنِ چمن وادی و صحرا
ساحل کی خموشی سے اُلجھتے ہوئے دریا
خُشکی کہیں پانی، کہیں اونچا کہیں نیچا
مغرب تری منزل ہے نہ مشرق تری دنیا

یونان و سمرقند و بدخشاں سے گزر جا

یہ مدرسہ و خانقہ و کوچہ و بازار
کچھ اہلِ تجارت ہیں بہت سے ہیں خریدار
تحریر گہر بیز ہے تقریر گہر بار

الفاظ کے دھوکے کہیں رنگینیٔ افکار
بازیچۂ تعلیم و دبستاں سے گزر جا

طوفاں کی طرف دیکھ نہ ساحل کی طرف دیکھ
لیلیٰ پہ نظر ڈال نہ محمل کی طرف دیکھ
ہشیار سے رکھ کام نہ غافل کی طرف دیکھ
سب کچھ ہے ترے پاس فقط دل کی طرف دیکھ
اور دل کے سوا ہر سر و ساماں سے گزر جا

ہے تیرا سفر سلسلۂ لا متناہی
ہے تیری نگہباں تری خوددار نگاہی
دے اپنی خودی پر بھی کسی روز گواہی
تو اپنی جگہ آپ ہے تقدیر الٰہی
صوفی کے تبلائے ہوئے ایماں سے گزر جا

حُسنِ معصوم

یہ کمسنی کا زمانہ یہ ابتدائے شباب
یہ شوخیوں کے اُفق سے طلوعِ مہرِ حجاب

جھکی جھکی سی نگاہیں کہ نیم وا غنچے
رُکا رُکا سا تبسم کہ نا شگفتہ گلاب

زفرق تا بقدم سحر و نغمہ و مستی
نظر نظر میں فسانہ، نفس نفس میں رباب

زہے جمال! یہ عالم ہے جامہ زیبی کا
کہ سادہ چھینٹ بدن پہ ہے غیرتِ کمخواب

ادائے ناز سے شرمندہ بجلیوں کا فروغ
خرامِ ناز پہ قربان رقصِ موجِ شراب

جو دیکھئے تو ہر اک پر نظر توجہ کی
جو سوچئے تو کسی سے نہیں ہے کوئی خطاب

نہ فکر و غم نہ کوئی تجربہ زمانہ کا
ابھی ہے سادہ و بیرنگ زندگی کی کتاب

ارے! یہ حُسن کی تقدیس جس کے جلووں سے
تمام میکدہ و خانقاہ و دیر خراب

سہیلیوں کا یہ جھرمٹ یہ بزم آرائی
کہ جیسے شب کو ستاروں کے بیچ میں مہتاب

یہ زلف و رُخ کی پھبن اور یہ سادہ آرائیے
بساطِ حُسن پہ ہے رقص گوہرِ شب تاب

خدا کرے یہ نگاہِ جہاں سے دور رہے
کہ اس زمانہ میں ہے عصمتِ نظر نایاب

کیا جانیے کیا یاد آیا؟

ہر طرف کانٹے ہی کانٹے اب نہ کلیاں ہیں نہ پھول
گلستانوں میں بجائے سرو اُگتے ہیں ببول
جس جگہ سبزہ ہی سبزہ تھا وہاں اب گرد ہے
ڈالیاں جھلسی ہوئی ہیں نبضِ خس بھی سرد ہے
طائروں کے زمزمے اور چہچہے جاتے رہے
تتلیوں کے رقص کرنے کے مزے جاتے رہے
ہر روش اک یادگارِ جبر بن کر رہ گئی
آہ! سارے گلستاں کی قبر بن کر رہ گئی
کتنے دوشیزہ شگوفے نذرِ گلچیں ہو گئے
کتنے بھونرے آندھیوں کے پیچ و خم میں کھو گئے
کونپلوں کی ناز کی تلوار پر دیکھی گئی
پتیوں کو سرخ انگاروں کی قسمت دی گئی
یاسمین و لالہ و گل پاؤں سے روندے گئے
زلفِ سنبل کے خموں پہ کوہِ غم توڑے گئے
جو اجالے تھے اندھیرے ہی اندھیرے بن گئے
گلستاں کے پاسباں ہی خود لٹیرے بن گئے

کتنے نالے، کتنی آہیں کر رہی ہیں انتظار
اے خدائے منتقم! برقِ غضب کے کچھ شرار

امیر اور اُن کے خوشامدی

دوسروں کے منہ کی تعریفوں سے دل ہوتا ہے خوش
جب نہ ہو خود ذات پر اپنی کسی کو اعتماد
ہے امیروں کے یہاں اُن کے ندیموں کا یہ حال
جیسے سازندے طوائف کو دیا کرتے ہیں داد

پاکستان کا مستقبل

[مستقبلِ پاکستان کے نورانی اُفق سے شاعر سرزمینِ پاکستان کا نظارہ کرتا ہے۔ کارخانوں کی چمنیوں سے لے کر حکومت کے ایوانوں تک، معیشت، معاشرت، سیاست اور عبادت و تقویٰ ہر منظر اُسے نظر آتا ہے اور یہ مشاہدات شعر کے قالب میں بے اختیار ڈھلتے چلے جاتے ہیں۔]

پاکستان کا آئین:—

زندہ ہوئیں اسلام کی پائندہ روایات — صد شکر پلٹ آئے ہیں گزرے ہوئے لمحات
قانون کی ہے رُوح محمد کی ہدایت — دستور کی بنیاد میں قرآن کی آیات

پاکستان کی فوج:—

میدان کے غازی ہیں خدا ترس نمازی — ہاتھوں میں ہیں تیغیں تو لبوں پر ہے مناجات
عورت کے نگہبان تو بچوں کے محافظ — اور اس میں نہیں کافر و مسلم کی مراعات

بڑھتے نہیں اللہ کے قانون کی حد سے
گو جنگ میں کتنے ہی ہوں بدلے ہوئے حالات

پاکستان کی خواتین:—

ایک ایک نفس عظمتِ کردار کا شاہد — ہیں عفت و عصمت میں سموئے ہوئے دن رات
اخلاق بھی اخلاق شرافت بھی شرافت — ہیں پیشِ نظر مریمؑ و زہراؑ کی روایات

پاکستان کے فنونِ ادب اور سائنس :—

ہے شعر و ادب میں بھی جھلک نورِ یقیں کی
سُلجھے ہوئے افکار ہیں پاکیزہ خیالات

غرناطہ و بغداد ہیں لاہور و کراچی
سبزے کی طرح اُگتے ہیں علمی نظریات

آئے ہیں نیا روپ نیا بھیس بدل کر
رومی کے مضامین غزالی کے مقالات

مژدہ ہو کہ ہیں کاوشِ تحقیق کی زد میں
طبقاتِ زمیں ہوں کہ رموزِ فلکیات

ہے عام بہت علم مرایا و مناظر
ایجاد کی منزل میں ہیں سائنس کے آلات

ہر شعبۂ ہستی میں ترقی کے ہیں آثار
دنیائے نباتات ہو یا کانِ فلزات

دیہات بھی ہیں صنعت و تخلیق کا منظر
اللہ رے! یہ سلسلۂ برق و بخارات

صد شکر کہ بیچارے عموے کی نظر سے
پوشیدہ نہیں باز کے احوال و مقامات

پاکستان کے عوام اور عام معاشرت :—

انسان کہ اخلاق و مروت کے نمونے
اب ہو گئے بھی کچھ بڑھ کے ہیں غیروں پہ عنایات

سجدوں کے نشانوں سے جبینیں ہیں منور
کس درجہ مبارک ہیں یہ آثار و علامات

اب زینتِ محفل ہے نہ مطرب نہ مغنی
گونجے ہوئے ہر سمت ہیں قرآن کے نغمات

سرمایہ مسلمان، تجارت بھی مسلمان
مزدور کو شکوہ ہے نہ مالک کو شکایات

محمود و ایاز ایک ہی منزل کے ہیں راہی
ہے گرمِ سفر قافلۂ عدل و مساوات

ہے قول و عمل ایک جو دل میں وہ زباں پر
دھوکے کی سیاست ہے نہ پُر پیچ بیانات

گھوڑ دوڑ کی بازی نہ کلب گھر کی ہیں شرطیں
ویران ہے سنسان ہے دنیائے خرابات

انسان کو انسان سے بے لوث محبت
ہڑتال کی دھمکی ہے نہ اب خوفِ فسادات

پہنلے چمن ہی نہیں جنگل بھی ہیں شاداب — ہے جوشش یہ اللہ کے افضال کی برسات
اخلاق و معیشت میں توازن ہے کچھ ایسا — ہر فرد خوش اعمال ہے ہر شخص خوش اوقات

جس سمت نظر ڈالئے جنت کی بہاریں
اے صلّ علیٰ مذہب اسلام کی برکات

قائدِ ملّت بہادر خاں رح!

[حیدرآباد دکن کے افق پر ایک تابناک ستارہ طلوع ہوا تھا مگر ؎

خوش درخشید و لے شعلۂ مستعجل بود

نوابِ بہادر یار جنگ مرحوم صحیح معنیٰ میں "قائدِ ملت" تھے کہ اُن کی فکر و نظر اسلامی تھی اور اُن کا کردار بھی مسلمانوں کا کردار تھا! ملتِ اسلامیہ کو آج تک جیسے لیڈر نہیں چاہئیں، مسلمانوں کی قیادت اُن مردانِ حق شناس کو زیب دیتی ہے جو اتباعِ سنت کو انسانیت کی معراج سمجھتے ہوں اور جن کی زندگی میں مسجد کی محرابوں سے لے کر سیاست کے ایوانوں اور معیشت و معاشرت کی رزم گاہوں تک "اسلام" کے سوا کوئی اور چیز نہ پائی جاتی ہو۔]

قائدِ ملت! بہادر خاں بہادر یار جنگ / جوشِ مذہب اور اسلامی حمیت تجھ میں تھی
جسم پر تیرے قبائے رہبری ٹھیک آ گئی / حسنِ فطرت تجھ میں تھا شانِ قیادت تجھ میں تھی
تیرا مسلک حق پرستی تیری فطرت حق شناس / یعنی ہر باطل سے ٹکرانے کی ہمت تجھ میں تھی
زندگی تو نے گزاری تھی مجاہد کی طرح / کفر کی طاقت سے لڑ جانے کی طاقت تجھ میں تھی
قصرِ ایواں میں بھی تُو دیتا رہا حق کا پیام / اس قدر آزاد اور بے باک جرأت تجھ میں تھی
تجھ سے ڈرتے اور کتراتے رہے اہلِ نفاق / اس لئے کہ مردِ مومن کی فراست تجھ میں تھی
کتنے طوفانوں میں تُو گھر کر رہا ثابت قدم / زخم کھا کر مسکرا دینے کی عادت تجھ میں تھی

تیرا اٹھنا تھا کہ اک کہرام برپا ہو گیا
اب ہُوا ظاہر کہ پوشیدہ قیامت تجھ میں تھی

اہلِ ساحل کو نہیں احساس کیا جاتا رہا — چھوڑ کر کشتی بھنور میں ناخدا جاتا رہا
لوگ کہتے ہیں کہ اک بیدار انساں چل بسا — ہم یہ کہتے ہیں ہمارا رہنما جاتا رہا
جس کے نغموں نے خزاں میں پھونک دی رُوحِ بہار — باغ سے وہ بُلبلِ شیریں نوا جاتا رہا
نبضِ ملت پر رکھے گا کون اپنی اُنگلیاں — درد باقی رہ گیا درد آشنا جاتا رہا
کس کی باتیں اب ہماری محفلیں گرمائیں گی — وعظ و تقریر و خطابت کا مزا جاتا رہا
ہائے وہ رکعت کہ جو پوری نہ ہو کر رہ سکی — مقتدی سجدے میں تھے اور مقتدا جاتا رہا
کتنے بچے ہیں کہ جو محرومِ شفقت ہو گئے — کتنی بیوائیں ہیں جن کا آسرا جاتا رہا

اک مجاہد اک قلندر اک مسلماں اُٹھ گیا
ایک شیدائے محمدؐ مصطفےٰ جاتا رہا

شمع افسردہ ہے، پروانے بھی ہیں سہمے ہوئے — سوگ میں ہے انجمن کی انجمن تیرے لئے
یاد تیری اب کسی دل سے نکل سکتی نہیں — مدتوں روئیں گے اربابِ وطن تیرے لئے
تیرے غم میں بن گیا ایک ایک گھر ماتم کدہ — کس قدر غمگین ہیں اہلِ دکن تیرے لئے
قبر پر تیری سدا رحمت کا مینہ برسا کرے — کر رہے ہیں یہ دعا سب مرد و زن تیرے لئے
گنبدِ خضریٰ سے تیری سمت جب دیکھیں حضورؐ — نور کی چادر ہی بن جائے کفن تیرے لئے
قربِ حق کے لہلہاتے باغ میں کھلتے رہیں — لالہ و گُل، یاسمین و نسترن تیرے لئے
جب تو پہنچے لیکے پیشانی میں سجدوں کے نشاں — کھول دے آغوش جنت کا چمن تیرے لئے

اور کریں حورانِ جنت عرض یہ تیرے حضور
تیرے ماہر کی بھی ہے نذرِ سخن تیرے لئے

ضرورت ہے!

(حلقۂ ادبِ اسلامی کراچی کے اجلاسِ عام منعقدہ ۸ ستمبر ۵۲ء میں پڑھی گئی)

امیروں کی ضرورت ہے نہ سلطاں کی ضرورت ہے
زمانہ کو فقط مردِ مسلماں کی ضرورت ہے

حُنین و بدر کے افسانے پھر دُہرائے جائیں گے
زمیں کو سُرخیٔ خونِ شہیداں کی ضرورت ہے

ترقی[1] لے گئی ہے بے یقینی کے اندھیروں تک
ادب کی محفلوں میں شمعِ ایماں کی ضرورت ہے

سکوں کیسا! کہاں کی عافیت کوشی ارے ناداں!
تری کشتی کو اک پُرشور طوفاں کی ضرورت ہے

بدلنا ہے خدا ناآشنا دورِ قیادت کو
علیؓ و خالدؓ و فاروقؓ و سلمانؓ کی ضرورت ہے

حُسینی قافلہ میں آنے والے جلد آجائیں
کہ پھر اسلام کو خونِ رگِ جاں کی ضرورت ہے

---

[1] نام نہاد مغرب زدہ اور اشتراکیت پروردہ ترقی!

قبائیں قیصر و کسریٰ کی ثابت نہیں رہ سکتیں
مری وحشت کو بھی چاکِ گریباں کی ضرورت ہے

ادب کب تک رہے گا جاہلیت کے شکنجے میں
گرفتارِ قفس کو اب گلستاں کی ضرورت ہے

حدودِ لذت و پاکیزگی پہچاننے والے
اِدھر آئیں کہ اُن کے علم و عرفاں کی ضرورت ہے

جہاں پر اتحادِ کفر و ایماں کی ضرورت تھی
وہاں اب امتیازِ کفر و ایماں کی ضرورت ہے

وہ مشرق ہو کہ مغرب ہر طرف ہے فتنہ سامانی
نظامِ زیست کو منشورِ قرآں کی ضرورت ہے

زمانہ منتظر ہے کس قدر ضربِ کلیمی کا
جہاں کو پھر کسی موسیٰؑ عمراں کی ضرورت ہے

دُعا کے ساتھ تدبیریں، عمل کے ساتھ تکبیریں
خدا کی راہ میں بھی ساز و ساماں کی ضرورت ہے

زمانہ آ گیا جھوٹے خداؤں سے بغاوت کا
مکمل اتباعِ حکمِ یزداں کی ضرورت ہے

خدا کا دین کفر و جاہلیت کے ہے نرغے میں
غزل خواں کی نہیں ہے اب رجز خواں کی ضرورت ہے

جھلکیاں

فیشن زدہ دوست سے :-

یہ بار بار کی زحمت یہ شوق سگرٹ کا — دھوئیں کے پیچ ہی زنجیر پا نہ بن جائیں
جبین و زلف کی آرائشیں درست مگر — مجھے یہ ڈر ہے یہی بت خدا نہ بن جائیں

یہ ہو کر رہے گا :-

شکستہ دل سے جو آہ نکلی تو فرش کیا عرش کانپ اُٹھے گا
درِ قفس وا نہ ہو سکے گا تو ایک دن ٹوٹ کر رہے گا
کسی کے روکے سے حق کا پیغام کب رُکا ہے جو اب رُکے گا
چراغِ ایماں تو آندھیوں میں جلا کیا ہے جلا کرے گا
وہ لاکھ بگڑیں ہزار وہ طیش غضب میں آئیں کہ تلملائیں
خدا کی اس پاک سرزمیں پر خدا کا قانون ہی چلے گا

ارادے :-

کتنے غریب گھر ہیں اُجالے سے دور دور — جتنی بھی روشنی ہے ستاروں سے چھین لوں
دہقاں کے کھیت فصل میں بھی ہیں خزاں نصیب — رعنائیاں تمام بہاروں سے چھین لوں
اتنی تو کم سے کم ہوں مری جرأتیں بلند — شاہوں کے تاج صرف اشاروں سے چھین لوں
سردی میں کتنے جسم ہیں بیگانۂ لباس
جتنی بھی چادریں ہیں مزاروں سے چھین لوں

دعوتِ نگاہ

ہر شئے پہ نظر ڈال یہاں دیکھ وہاں دیکھ
ممکن ہو تو ہر مرحلۂ کون و مکاں دیکھ

یہ سُرمئی بادل یہ ہوائیں یہ مناظر
کہسار پہ بدمست گھٹاؤں کا دھواں دیکھ

صحرا کے بگولے بھی ہیں نظارے کے قابل
گلشن میں لچکتی ہوئی شاخوں کا سماں دیکھ

غنچوں سے یہ خوش فعلیاں پھولوں سے یہ شوخی
تتلی کے لبوں پر ہیں تبسّم کے نشاں دیکھ

پانی پہ حبابوں کے کھلونے ہی کھلونے
اے ناظرِ قدرت! طرفِ آبِ رواں دیکھ

یہ ارض و فلک دشت و جبل وادی و صحرا
قدرت کے مظاہر ہیں یہ ہر گام عیاں دیکھ

ہر منظرِ فطرت کو ضرورت ہے نظر کی
دُنیا ہے مگر کارگہِ شیشہ گراں دیکھ

اے تُو کہ ہے نقّادِ معانی و مطالب!
فرصت ہو تو ماہر کا بھی اندازِ بیاں دیکھ

دہلی سے بمبئی جاتے ہوئے

(۱۲؍فروری سنہ ۴۷ء)

کہرہ سا فضا میں چھا رہا ہے / انجن بھی دھوئیں اڑا رہا ہے
سبزے کا ہے رنگ ہلکا ہلکا / کچھ دھوپ ہے اور کچھ دھندلکا
پودوں کے بدن ہیں ادھ کھلے سے / ہیں شام و سحر ملے جلے سے
لچکی ہوئی ڈالیوں کے پتے / کچھ بول رہے ہیں چپکے چپکے
پیڑوں کے تلے جو چھاؤں سی ہے / ذرّوں کو بھی نیند آ گئی ہے
پرچم سے کہیں یہ گڑ رہے ہیں / خیمے سے کہیں اکھڑ رہے ہیں
خم کھاتے ہوئے سے راستے ہیں / دشوار گزار راستے ہیں
غاروں میں پہاڑیاں کھڑی ہیں / ہر موڑ پہ جھاڑیاں کھڑی ہیں
ہے کوئی درخت فیل پیکر / پودا کوئی غیرتِ صنوبر
پھولوں سے بھی داد لے رہے ہیں / کانٹے بھی بہار دے رہے ہیں
برگد کے قریب ہیں ببولیں / جس طرح سے ہاتھیوں کی جھولیں
باغوں کی سی یاں نہیں سجاوٹ / ترتیب میں خود ہے اک بناوٹ
لوگوں کی چہل پہل نہیں ہے / دنیا کا فریب چھل نہیں ہے
ٹیلے ہیں ادھر، ادھر ہے کھائی / خشکی ہے کہیں، کہیں ترائی

جنگل میں یہ کھُردری چٹانیں — فطرت کی کھُلی ہوئی ہیں راہیں
ہرنوں کی وہ ڈار جا رہی ہے — صحرا کی بہار جا رہی ہے
شاخوں پہ طیور گا رہے ہیں — پودے ہیں کہ لہلہا رہے ہیں
شہروں سے خوشی جو بچ رہی ہے — جنگل میں بھی دھوم مچ رہی ہے
دیکھو! وہ جھکی ہوئی ہیں شاخیں — پڑھتے ہیں درخت بھی نمازیں
کہتی ہے یہ راستہ کی جھاڑی — گذرے تھے اِدھر سے کچھ شکاری
طوفاں کی طرح نکل گئے تھے — پیروں سے مجھے کچل گئے تھے
نظارے جو رُخ بدل رہے ہیں — پودے مرے ساتھ چل رہے ہیں

ہے دل میں خوشی بھی اور چبھن بھی
تنہائی بھی اور انجمن بھی

جہاں مَیں ہُوں

تمنا بھی دوئی کی اک نشانی ہے جہاں مَیں ہُوں
محبّت خود حجابِ درمیانی ہے جہاں میں ہُواں

یقیں کے آبشاروں کی روانی ہے جہاں مَیں ہوں
سکوتِ گُل میں طوفانِ معانی ہے جہاں میں ہُوں

خموشی حاصلِ نازک بیانی ہے جہاں مَیں ہُوں
نگاہوں میں حدیثِ لَن ترانی ہے جہاں مَیں ہوں

صفت خود ذات کو آئینہ دکھلاتی ہے رہ رہ کر
تجلّی کو بھی شوقِ پرفشانی ہے جہاں مَیں ہوں

نفس کی موج بھی بے اذن جنبش کر نہیں سکتی
وہاں اک اک نظر کی پاسبانی ہے جہاں مَیں ہُوں

ارادے ٹوٹتے ہیں آگہی مضبوط ہوتی ہے
شکستوں سے طلوعِ کامرانی ہے جہاں مَیں ہوں

مری ہستی کو قربت کی فضا راس آ نہیں سکتی
غمِ دُوری ہی وجہِ زندگانی ہے جہاں مَیں ہوں

طلسمِ ہوش و مستی ہے نہ مجبوری نہ مختاری
خود اپنی ذات سے بھی بدگمانی ہے جہاں مَیں ہوں
لہو روتا ہے دل اس پر بھی ہونٹوں پہ تبسم ہے
ہجومِ غم میں جبرِ شادمانی ہے جہاں مَیں ہوں
مرا ہر شعر ماہر شارحِ آیاتِ قدرت ہے
وہاں جذب و یقیں کی ترجمانی ہے جہاں مَیں ہوں

کیا کروں؟

تیرے بغیر کنجِ گلستاں کو کیا کروں
اس اہتمامِ فصلِ بہاراں کو کیا کروں

نسرین و نسترن سے نظر مطمئن نہیں
لالہ کے اس چراغِ فروزاں کو کیا کروں

گلہائے رنگ رنگ نگاہوں پہ بار ہیں
میں یاسمین و سنبل و ریحاں کو کیا کروں

تیرے بغیر عشرتِ نظارگی کہاں؟
برگِ سمن پہ شبنمِ لرزاں کو کیا کروں

طوفانِ رنگ و بو میں بھی دل ہے اداس اداس
رقصِ بہار و ابرِ خراماں کو کیا کروں

بجلی کی تاک جھانک مجھے ناگوار ہے
کالی گھٹا کی زلفِ پریشاں کو کیا کروں

جب تو نہیں تو لطف و مسرّت کا ذکر کیا
میں عیش و انبساط کے ساماں کو کیا کروں

میرے جنوں کی کون اڑائے گا اب ہنسی
اے دوست اپنے چاک گریباں کو کیا کروں

تیرے عتابِ خاص کا مارا ہوا ہوں میں
اوروں کے التفاتِ فراواں کو کیا کروں

سالِ نو کا پیام

ہیں مرحلے درپیش بہت نازک و پُر پیچ
آغازِ مسرت ہی سے بے تاب نہ ہو جا

مانا کہ فلک سیر ہے رفتارِ زمانہ
شعلہ کی طرح گرم ہو بے تاب نہ ہو جا

بننا ہے تو بن غیرتِ خورشیدِ جہاں تاب
اے نورِ نظر اک رگِ شب تاب نہ ہو جا

تہذیبِ فرنگی پہ اچٹتی سی نظر ڈال
تو قلزمِ اسرار ہے پایاب نہ ہو جا

تسلیم کہ نغموں سے فضا گونج رہی ہے
لیکن گروِ زخمہ و مضراب نہ ہو جا

آیا ہے نیا سال نئے جوش کو لے کر
فکر و عمل و آگہی و ہوش کو لے کر

برکھا رُت

وہ برکھا رُت وہ ساون کا مہینہ
روانی پر گھٹاؤں کا سفینہ

ہوا کے سرد جھونکے چل رہے تھے
ہرے پودے بھی پنکھا جھل رہے تھے

فضا میں تیرتے تھے ابر پارے
نم آلودہ ہواؤں کے سہارے

گھٹاؤں کا دھواں سا چھا رہا تھا
شفق کا رنگ اُودا ہو گیا تھا

پپیہوں کی ملھاروں پہ ملھاریں
کہیں بدمست موروں کی پکاریں

وہ پودوں کی بہت ہی نرم کونپل
ہوا میں اڑ رہے تھے سبز آنچل

ترشح سے ہر اک شے دھل رہی تھی
زمیں کی اور رنگت کھل رہی تھی

ہرن آپس میں چہلیں کر رہے تھے
کلیلوں پہ کلیلیں کر رہے تھے

ہرے پتوں پہ بوندیں پڑ رہی تھیں
زمرد پر ستارے جڑ رہی تھیں

اشتراکیت

بے یقین و بے ضمیر و کم نگاہ
منکرِ اخلاق و آیاتِ اِلٰہ
عصمتِ کردار در راہش غبار
مذہبِ او را شکم پروردگار
در مساواتِ جہاں مصروفِ کار
زاں مساواتیکہ فطرت شرمسار
آدمی را صرف ماشینے[ط] شمرد
در دُخاں زائید و در آتش بمرد
آتشیں سیلاب لرزاں بر زمیں
فتنۂ دنیا و ہم آشوبِ دیں

ط Machine

تاثرات

الفاظ نہیں ہیں چیخیں ہیں اشعار نہیں ہیں نالے ہیں
کچھ گہری گہری چوٹیں ہیں کچھ نازک نازک چھالے ہیں

قسمت کے اندھیرے میں آکر تدبیر بھی رستہ بھول گئی
راتوں کی سیاہی کیا کہیئے جب دن ہی کالے کالے ہیں

چہروں پہ سپیدی غربت کی، ہونٹوں کی ہنسی مرجھائی سی
آنکھیں ہیں کہ سوکھی جھیلیں ہیں دل ہیں کہ لہو کے تھالے ہیں

دلی کے وہ سقف و بام کہاں وہ صبح کہاں وہ شام کہاں
اب چین کہاں آرام کہاں پردیس میں ڈیرے ڈالے ہیں

دو دو نسبتیں

شیخ کو حاصل ہیں دو دو نسبتیں
خانقاہی بھی ہے درباری بھی ہے

داد دے اے قوم اس تخئیل کی
لیگ قومی بھی ہے سرکاری بھی ہے

بہار کا ایک منظر

صلصل و دراج و بلبل فوج فوج — رنگ و بو و رقص و نغمہ موج موج
در ہوائے شاخساراں نغمگی — بر گلِ و سرو و صنوبر تازگی
کنج صحنِ باغ چوں محرابِ کاخ — غنچہ ہائے نو شگفتہ شاخ شاخ
نرگسِ شہلا نگارِ مست چشم — لالۂ احمر بتِ آلودہ خشم
می کند شوخی صبا زود و شتاب — شبنم از احساسِ غیرت آب آب
ایں فروغِ نسترین و نارون — آں بہارِ ضیمران و یاسمن
خار و خس بدمست از کیفِ بہار — قلقلِ میناست در صوتِ ہزار
برگ ہا چوں پردہ ہائے بزمِ نور — از فروغِ حسن بر ہر شاخِ طور

برگ و گل بر صنعتِ خالق گواہ
می سراید "اشہد اَن لَا اِلٰہ"

نوجوان مجاہد

زباں پہ نامِ خدا رائفل اٹھائے ہوئے
وہ جا رہا ہے قدم تیز تر بڑھائے ہوئے

وہ تیغ جس کو ہے سو بار آزمائے ہوئے
کبھی کبھی اُسے قوسِ قزح بنائے ہوئے

ہر ایک رہبر و قائد سے ہو کے بے پروا
محمدِ عربی پہ نظر جمائے ہوئے

سرِ بلند سے دیتا ہوا پیامِ خودی
خدا کے سامنے لیکن جبیں جھکائے ہوئے

بنامِ حق و صداقت بہ فیضِ روحِ جہاد
شرابِ شوق کی سو بوتلیں چڑھائے ہوئے

فضا میں گونج رہا ہے جو نعرۂ تکبیر
رواں دواں ہے اُسی لے میں لے ملائے ہوئے

قدم قدم پہ ہے کافر جوانیوں کا ہجوم
وہ جا رہا ہے نگاہیں مگر جھکائے ہوئے

اقبالؒ

کارواں خواب میں تھا بانگِ درا سے پہلے ساز میں سوز نہ تھا تیری نوا سے پہلے

اللہ اللہ! ترا قافلۂ نطق و کلام بالِ جبریلؑ کے سایہ میں ہُوا گرمِ خرام

صرف مشرق نہیں، مغرب کو بھی پیغام دیے نگہ و فکر پہ اسرارِ خودی فاش کیے

تو کبھی شعلۂ رقصاں، کبھی رفتارِ نسیم موجِ کوثر ترے اشعار کہیں ضربِ کلیم

اک نئی طرز نئے باب کا آغاز کیا شکوہ اللہ تعالیٰ سے بصد ناز کیا

حسن و الفت کے فسانوں میں ہوس شامل تھی تو نے تقدیس عطا کی انہیں عصمت بخشی

چہرۂ فکر و معانی کو نکھارا تو نے زلفِ دوشیزۂ اردو کو سنوارا تو نے

تیرے شعروں میں کہیں معرکۂ بدر و حنین کہیں ایمانِ براہیمؑ کہیں عزمِ حسینؑ

اس لئے ہے تری ایک ایک مجھے بات قبول تیرا سرمایۂ دانش تھا فقط عشقِ رسولؐ

تو کہ لندن کی بھی راتوں میں سحر خیز رہا غیر ماحول میں خوددار و کم آمیز رہا

ہو سکے ضبط نہ اسپین میں تجھ سے آنسو قوم کے غم میں تری آنکھ نے رویا ہے لہو

اس قدر خوفِ خدا، سوزِ دروں، جذبۂ حق بھیگ جاتے تھے ترے اشک سے قرآں کے ورق

محفلِ رومیؒ و عطارؒ تھی مدت سے خموش تیرے نغموں نے بنایا اسے ہنگامۂ جوش

علم و حکمت کے مسائل کو دیا شعر کا رنگ کس نزاکت سے ہم آغوش کیے شیشہ و سنگ

فکرِ افسردہ کو پرواز عطا کی تو نے
لبِ خاموش کو آواز عطا کی تو نے

برق پارے

۱

جن کی صبح و شام غرقِ جام ہیں — خیر سے وہ عاشقِ اسلام ہیں
زاغ و کرگس پر کوئی بندش نہیں — اور شاہیں ہیں کہ زیرِ دام ہیں
کتنے فرعونوں کو حاصل ہے عروج — کتنے چنگیز اب بھی خوں آشام ہیں
جاگ اے ایمانِ ابراہیم جاگ! — ہر طرف اصنام ہی اصنام ہیں
قصر و ایواں میں جو دفنائے گئے — آج وہ اسرار طشت از بام ہیں
یا وہ بُت سچ مچ کا پتھر بن گیا — یا ابھی تک میرے نالے خام ہیں
ناخدا سے کوئی کچھ کہتا نہیں — موج و کشتی ہی فقط بدنام ہیں

احتجاج! اے خوئے ہنگامہ پسند
میرے دل کی دھڑکنیں پیغام ہیں

ہیں ٹھوکریں بھی تجھے تحفۂ کرم آمیز
اگر نہیں ہیں ترے حوصلے زمانہ ستیز
تمام تر ہیں یہ تاریخ کے سیاہ ورق
شکوہِ حملۂ چنگیز، عشرتِ پرویز
نسیم صبح یہ کہتی ہوئی گزر ہی گئی
سمندِ شوق کو موجِ نفس بھی ہے مہمیز

چلے ہیں غم کے مٹانے کو سوئے میخانہ
یہ خودکشی کے ارادے یہ زندگی سے گریز

بہت دنوں سے ہے ویران بزم وجد و سماع
نہ قونیہ[1] کا وہ عالم نہ رونقِ تبریز

ابھی تو عمرِ رواں ساتھ دے رہی ہے ترا
قدم بڑھائے چلا جا ابھی کچھ اور بھی تیز

صدائیں آج بھی آتی ہیں طاقِ کسریٰ سے
ورق ورق ہے مری زندگی کا عبرت خیز

کوئی کرے نہ مری دل کی دھڑکنوں کا علاج
مرے لئے ہیں یہی نغمہ ہائے دل آویز

تری نگاہ نے کچھ سوز کر دیا پیدا
مرا فسانۂ اُلفت نہ تھا اثر انگیز

وہ قدس ہو کہ حرم، مصر ہو کہ پاکستان
کہاں نہیں ہے زمانہ میں فتنۂ انگریز

فقیر ہو کہ شہنشاہ، خانقاہ کہ قصر
مرو بہ پیش کسے، آبروئے خویش مریز

---

[1] ترکی کا ایک شہر جہاں حضرت مولانا رومؔ کی قبر اور خانقاہ (مولویہ) ہے۔

میں شکوہ سنج ہوں کیوں خارِ غم کی ہے جو کسک
کہ دردِ عشق ہے اب دل کا جزوِ لاینفک

نگاہِ شوق یہی وقتِ آزمائش ہے
وہ سامنے ہے تجلی پلک نہ جائے جھپک

ابھی نگاہ کو تسکیں نہیں ہوئی اے دوست
کرم کیا ہے جو اتنا ذرا سی اور جھلک

جہانِ لالہ و گل کیا سمجھ سکے گا مجھے!
کہ سجدہ ریز رہے ہیں مرے حضور ملک

نہ جانے اب کے برس ہو گیا بہار کو کیا
دبی دبی سی چٹک ہے گھٹی گھٹی سی مہک

نہ اٹھ سکے گا کسی اور سے یہ بارِ گراں!
خدا کے واسطے دامن سے گردِ غم نہ جھٹک

شباب و حسن کی توبہ! یہ رنگ آرائی
ابھی لبوں پہ شفق ہے ابھی جبیں پہ دھنک

زمین و زن کی مساوات و اشتراک کا درس
جہاں میں زندہ ہوا پھر سے فتنۂ مزدک[1]

---

[1] مجوسیوں کے پیغامبر مزدک (ایران) نے کہا تھا کہ زر، زمین اور زن مشترک ہونی چاہئیں۔ یہی عقیدہ آج کمیونزم کی بنیاد ہے۔

ہے دل میں جوشِ طبیعت ہے کس قدر موزوں
میں آج مطلعِ رنگیں جگر کے خوں سے لکھوں

نہ آرزو نہ کشاکش نہ جذبِ سوزِ دروں
خدا کرے کہ میں اس حال میں کبھی نہ رہوں

نہ خانقاہ سلامت، نہ میکدے کا وہ رنگ
میں اپنے گھر کے سوا اور پھر کہاں جاؤں

تری نگاہ تو ہے خیرۂ شعاعِ فرنگ
تری نگاہ سے میں زندگی کو کیوں دیکھوں

یقیں ہے حسن کی نیندیں حرام ہو جائیں
اگر میں نالۂ بیتابِ دل میں تھام نہ لوں

یہ حادثات کی دنیا ارے معاذ اللہ!
کہیں فسونِ تمنا کہیں فریبِ سکوں

جو خود بھی پی نہ سکیں اور کو پلا نہ سکیں
میں اُن کے ہاتھ سے جامِ حیات چھین نہ لوں

نہ آگہی کا پتا ہے نہ مصلحت کا نشاں
جہاں جہاں سے بھی گزرا ہے کاروانِ جنوں

مرا مقام بہت کچھ ہے خسروی سے بلند
مرے لئے ہے قبائے حریر ناموزوں

نہ وہ خمارِ شبانہ، نہ وہ گراں خوابی
کہ دل کے ساتھ نظر ہے شریکِ بیتابی

مری نگاہ میں فاروقؓ و بوذرؓ و سلمانؓ
ترے خیال میں ہیں ابنِ رشد و فارابی

کسے خبر کہ ترے دل میں درد ہے کہ نہیں
کہ تیری آنکھ ابھی تک نہیں ہے عنابی

کھڑی ہوئی ہیں رہِ زندگی میں دیواریں
یہ پردہ ہائے حریر و غلافِ سنجابی

طلوعِ مہر کو خوش آمدید کہتی ہے
سحر کے وقت ستاروں کی یہ خنک تابی

جو دل کا درد نمایاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
گلوں کا چاک گریباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ضمیر صاحبِ ایماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
جو اپنی ذات کا عرفاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہوا میں جنبشِ پنہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
شمیمِ گُل جو پریشاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

قسم خدا کی غلامی سے موت اچھی ہے
تو اپنے وقت کا سلطاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ علم و حکمت و دانش کی جلوہ آرائی
یقیں کی شمع فروزاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

خرد تراش رہی ہے نئے نئے دستور
جو اس میں حکمتِ قرآں نہیں تو کچھ بھی نہیں

سُلطاں کے لئے ہے نہ تونگر کے لئے ہے — کونین کی ہر چیز قلندر کے لئے ہے
ہر بُت کدۂ دہر میں آوازِ براہیمؑ — پیغامِ اجل صنعتِ آذر کے لئے ہے
کیا کام اُسے معرکۂ تیغ و سناں سے — واعظ تو فقط زینتِ منبر کے لئے ہے
مغرور امیروں سے کوئی کاش یہ کہہ دے — یہ شانِ امارت مری ٹھوکر کے لئے ہے
ڈر ہے کہیں زاہد کو پشیماں نہ کر دے — وہ سجدہ جو حور و مئے کوثر کے لئے ہے

ہیں قیصر و کسریٰ کے یہاں قندیلِ مئے ناب
اور نانِ جویں فاتحِ خیبر کے لئے ہے

زربفت کے پردے ہیں کنیزوں کے مکاں میں
اک کہنہ ردا بنتِ پیمبر کے لئے ہے

صد شکر کہ محفوظ ہے ماہر کی جبیں میں
وہ آخری سجدہ جو ترے در کے لئے ہے

کانٹوں کی کھٹک دیکھ، نہ پھولوں کی مہک دیکھ
ہے تیز ہوا، شاخِ نشیمن کی لچک دیکھ

یہ قمری و طاؤس کے نظارے کہاں تک
رم خوردہ غزالوں کے بھی پلکوں کی جھپک دیکھ

تو جا تو رہا ہے طرفِ میکدہ اے دوست!
کر دے نہ تجھے مست پیالوں کی کھنک دیکھ

او چاندنی راتوں کے پرستار، اِدھر آ
ڈوبے ہوئے قسمت کے ستاروں کی چمک دیکھ

تقدیر کے اسرار بتائے گا تجھے کون
آئینۂ امروز میں فردا کی جھلک دیکھ

ہیں مردِ مجاہد کے بھی انداز نرالے
رفتار قیامت کی ہے اور پاؤں میں چھالے

غازی نے چمکتی ہوئی تلوار اٹھا لی
دیتا ہی رہا شیخ "کتابوں کے حوالے"

پیرانِ کلیسا کے فریبوں میں نہ آنا
یہ لوگ تو لکھ دیتے ہیں جنّت کے قبالے*

بزمِ نگہ و دل میں کسی طرح بھی اے دوست
ہوتے نہیں بجلی کے چراغوں سے اُجالے

تہذیب جہاں سوز کی زد سے نہ بچیں گے
مندر نہ کلیسا نہ مساجد نہ شوالے

او بلبلِ خوش رنگ و خوش آواز مری سُن!
نغمے جو ہوں بے کیف تو بن جاتے ہیں نالے

جلوے بھی، مناظر بھی، محبت بھی مگر کیا!
آنکھوں پہ حجابات، زبانوں میں ہیں تالے

ماہر ہیں محبّت کے صحیفوں میں ملوں گا
ڈھونڈیں جو کبھی مجھ کو مرے ڈھونڈنے والے

تیغ کی جھنکار پر نغمے سُنا سکتا ہوں مَیں
نزع میں بھی گیت آزادی کے گا سکتا ہوں میں
قصرِ استبداد کی بنیاد ڈھا سکتا ہوں مَیں
ظلم کے شعلوں کو پھونکوں سے بجھا سکتا ہوں مَیں
مست ہاتھی کو بھی میداں سے بھگا سکتا ہوں میں
ایک زخمی شیر سے پنجہ لڑا سکتا ہوں میں

---

* تذکراتِ غفران Papal Dispensations and indulgences

شبنمِ گل سے لگا سکتا ہوں کہساروں میں آگ
بجلیوں سے آشیانے کو بنا سکتا ہوں میں

کوئی وادی ہو مگر مجھ کو گزر جانے سے کام
کوئی منزل ہو قدم آگے بڑھا سکتا ہوں میں

موجِ طوفاں پہ بھی ہو سکتی ہے تعمیرِ حیات
آندھیوں کی گود میں شمعیں جلا سکتا ہوں میں

میری خودداری کسی طاقت سے دب سکتی نہیں
قیصر و کسریٰ سے بھی آنکھیں ملا سکتا ہوں میں

چوٹ کھا کر بھی مرے تیور نہیں ہوتے ملول
انتہائی درد میں بھی مسکرا سکتا ہوں میں

برگِ گل سے کام لے سکتا ہوں میں تلوار کا
پتھروں سے لالہ و نرگس اگا سکتا ہوں میں

شاعرِ آزاد ہوں ماہر بہ فیضِ جذب و شوق
خونِ دل سے شعر کے خاکے بنا سکتا ہوں میں

حُنین و بدر میں وہ غازیوں کی تکبیریں
نظر کے ساتھ بدلتی گئی ہیں تقدیریں

خموشیوں سے نمایاں ہے جذب سوزِ دروں
یہ سلوٹیں ہیں جبیں پر کہ دل کی تحریریں

یہ سجدہ ہائے ریائی کے داغ اے توبہ!
کہ مسجدوں میں بنا دی گئی ہیں تصویریں

یہ کون پچھلے پہر رات کو ہے محوِ سجود
دعا کو ڈھونڈ رہی ہیں الٰہی سے تاثیریں

حدیثِ عشق کی تشریح کوئی کھیل نہیں
جگر کے خون سے لکھی گئی ہیں تفسیریں

میں کیا کہوں مرے ظلمت کدے کا رنگ ہے کیا
گزر گئی تھیں ادھر سے بھی چند تنویریں

ہر احتیاط پہ ذوقِ طلب نے چٹکی لی
جنوں کو راس آئیں خرد کی تدبیریں

مجاہدوں سے کہو اس قدر نہ ہوں دل تنگ
کہیں کہیں سے ذرا مڑ گئی ہیں شمشیریں

نظمِ نظر یہ ہے بندشِ نفس سے ہے غلام
یہ زندگی ہے تو اس زندگی کو میرا سلام

مری نگاہ میں ہے حسن جوہرِ شمشیر
تری نگاہ میں آرائشِ غلافِ نیام

تغیراتِ خیال و نظر کے پردے میں
نہ ابتدائے سحر ہے نہ انتہائے شام

یقین مرکزِ توحید پر رہا لیکن
تصورات کے سانچے میں ڈھل گئے اصنام

خرد کے ساتھ جنوں کا نباہ ہو نہ سکا
یہ مصلحت ہے سراپا وہ سوز و درد تمام

ہزار تاج محل اور ایک نقشِ خودی
بس ایک ذرۂ دل اور بے شمار اجرام

ٹھہر ٹھہر کہ زمانہ پکارتا ہے تجھے
سنبھل سنبھل کہ ہے پھر تیز گردشِ ایام

وہ زہد جو کہ رضا مند ہو غلامی پر
ہے ایسے زہد پہ آب و ہوائے خلد حرام

وہ سرزمینِ حرم جو ہے اہلِ دل کی پناہ
فرنگیوں نے وہاں بھی بچھا دئیے ہیں دام

تمام مشرق و مغرب خراب ہیں اے دوست!
سیاسیات کے فتنے غریبِ علمِ کلام

تراشِ حیلہ و رخصت خیالِ وجد و سماع
یہ مُفتیوں کی شریعت وہ صوفیوں کا مقام

جبیں پہ داغِ غلامی لبوں پہ موجِ درُود
جنابِ شیخ پہ مشکل سے آئے گا الزام

سکون و عیش تو اہلِ ہوس کی قسمت ہے
ازل کے دن سے محبّت رہی ہے بے آرام

معرفت ہے نہ محبت نہ پیمبر نہ کتاب — علمِ حاضر کا یہ عالم کہ حضوری نہ غیاب
دستِ بے باک کی جرأت نہ ہو جب تک کہ شریک — صرف نظارے سے کھلتے ہیں کہیں بندِ نقاب
وہی انسان ہے اس دہر میں بیدار ضمیر — ہر نفس جس کے لئے آج بھی ہے روزِ حساب

عیش کی نیند مسلماں کو سُلا دیتی ہے — نرمئ اطلس و زربفت و حریر و کمخواب
تو نے کانٹے کی جراحت بھی نہ دیکھی اے دوست! — تیری دُنیا ہے یہی راحتِ نسرین و گلاب
حکمِ رمضاں میں وہ تاویل کی لیتا ہے پناہ — جو کہ ہے خوگرِ خس خانہ و قند و برفاب
یہ فضا! ہائے یہ دنیا، یہ جہانِ تہذیب — عشق بے خواب ہے جس کا نہ محبت بے تاب
ٹوٹ کر سطح کو بے چین تو کر جاتے ہیں — آبگینے یہ ہوا کے یہی کمزور حباب

کس مجاہد کی یہ پھونکوں کا اثر ہے ماہرؔ
گل ہوئی جاتی ہے تہذیب کی روشن شب تاب

زمانہ آج بھی سوزِ یقیں سے ہے محروم — کھٹک رہے ہیں وہی رازہائے نامعلوم
حقیقت اپنی جگہ خود ہے بے نیازِ کشود — جو شرح کی ہے تو کچھ اور اُلجھ گیا مفہوم
یہ بلبلے، یہ بگولے یہ رنگ و بُو کے طلسم — یہ انقلاب کے دعوے، ترقیوں کی دھوم
مآلِ شدّتِ احساس تیری عمر دراز — کبھی کبھی تو مری آہ ہو گئی منظوم
ہوس ہے مصلحت انگیز اور عشق غیور — جنوں کا ایک طریقہ، خرد کے لاکھ رسوم
دل و نگاہ کی پاکیزگی کو میرا سلام — یہ باغچوں کی روش پر جوانیوں کے ہجوم
ستارے کیا مری تقدیر کا پتا دیں گے — کریں نہ زائچے تیار اہلِ علمِ نجوم
نہ معرفت، نہ بصیرت نہ عصمتِ کردار — مسائلِ نظری کو سمجھ لیا ہے علوم

میں تجربہ کی بنا پر یہ بات کہتا ہوں
نہ عشق سادہ طبیعت نہ حُسن ہے معصوم

یہ مصلحت کی زباں میں پیامِ بیداری
اسی کا نام ہے اے دل! خرد کی عیاری

وہ بوالہوس ستمِ حُسن کیا اُٹھائے گا
جو کر سکا نہ محبت کی ناز برداری

یہ خستگی ہے کہ برگِ زمیں فتادہ پر
کہاں کی دھوپ یہ پھولوں کی چھاؤں ہے بھاری

وہ زندگی کہ نہیں جس میں جذب و مستی و سوز
وہ زندگی تو حقیقت میں خود ہے بیماری

ہے تیرے واسطے اک کھیل سعیِ طوفِ حرم
کہ تُو ہے دل سے نظر تک تمام زُناری

یہ چھیڑ چھاڑ یہ نغمے یہ شعر و افسانہ
یہ لڑکیاں ہیں کہ ہیں شاہدانِ بازاری

خدا کے واسطے اُس روزِ احتساب سے ڈر
کہ جب ہوں دیدہ و دل مجرمانِ اقراری

نہ تاجِ قیصر و سنجر نہ دولتِ پرویز
مرے لئے ہے بہت کچھ متاعِ خودداری

کہاں کی محفلِ نغمہ، کہاں کے قصر و چمن
ترا مقام تو ہے بُوذری و کرّاری

مسلم کہ ہے من جملۂ آیاتِ الٰہی — مسجد میں فرشتہ ہے تو میداں میں سپاہی
سجدوں کا ہے یہ داغ کہ ہے مُہرِ غلامی — ہے شیخ کے ماتھے پہ سپیدی کہ سیاہی
ہر سانس ہو تیرے لئے پیغامِ قیامت — کھُل جائیں ترے دل پہ جو اسرارِ نواہی
یہ کفر کے سایہ میں نمازوں پہ نمازیں — اللہ رے! زہاد کی ناکردہ گناہی
اشعار ہیں اشعار فسانے ہیں فسانے — تلقینِ غزالیؒ ہے نہ تفسیرِ فراہیؒ[1]
توحید کا اقرار زباں سے یہ کہاں تک — دے اپنے عمل سے بھی تو اے دوست گواہی
قبروں پہ مسلمان خواتین کا جھرمٹ — اور اُس پہ مجاور کی وہ دزدیدہ نگاہی

ہو روس کی تہذیب کہ آئینِ فرنگی
دونوں میں ہے اللہ کے بندوں کی تباہی

کہیں پیسہ کہیں روٹی خدا ہے
نہ جانے آدمی کیا ہو گیا ہے
کہیں تقویٰ مگر بے دست و پا ہے
کہیں رندی ہے اور محشر بپا ہے
کہیں تدبیر ہی تدبیر سب کچھ
کہیں مفلوج ہاتھوں کی دعا ہے

---

[1] مفسرِ قرآن مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ

کہیں مسجد میں ویرانہ کا منظر
کہیں قبروں پہ میلہ لگ رہا ہے
کہیں فردوس کی رعنائیاں ہیں
کہیں دوزخ کا دروازہ کھلا ہے
کہیں ملتا ہے مکاری پہ انعام
کہیں حق بات کہنا بھی خطا ہے
الٰہی! دین اور ایمان کی خیر
بہت نازک زمانہ آگیا ہے

دل کی دھڑکن سے پیالوں کی کھنک دب جائے گی
عیش کا افسانہ دنیا اب نہیں دہرائے گی
چنگ و بربط اب نہ بجنے پائیں گے فردوس گوش
قلقلِ مینا بھی سرمہ در گلو ہو جائے گی
تیغ کی جھنکار پہ جھومے گی روحِ بادہ خوار
چشمِ ساقی اب کسی کو بھی نہیں بہکائے گی
لالۂ خونیں کفن دے گا پیامِ زندگی
جب کبھی گلشن پہ ساون کی گھٹا لہرائے گی
خاک کے ذرّے بھی ڈالیں گے ستاروں پر کمند
پھول کی پتی شفق کو آئینہ دکھلائے گی

کھل گیا اہلِ چمن پر نرمیٔ گُل کا فریب
بُلبلِ خوش رنگ اب کانٹوں سے جی بہلائے گی
کوئی بھی اُس کو نہیں دے گا سہارا دیکھنا!
موجِ بُوئے گُل اگر چلتے ہیں ٹھوکر کھائے گی
منزلِ عیش و طرب سے اب میں کوسوں دُور ہوں
اب ہوا کی موج کیوں تلوے مرے سہلائے گی
صرف لکِ "اللہ" پہ ہو گا ہر اک کو اعتماد
فطرتِ انساں نہ خوفِ غیر سے گھبرائے گی
خیر مقدم کے لئے آغوشِ وا ہو جائے گا
زندگانی دل کی ہچل بھی اگر سُن پائے گی
دیکھنا! اُس وقت ماہر دینِ فطرت کی بہار
ساری دُنیا ایک ہی مرکز پہ جب آ جائے گی

مرے ماتھے پہ ہلکی سی شکن بھی آ نہیں سکتی
ہجومِ غم میں بھی فطرت مری گھبرا نہیں سکتی
نہ جس میں سوزِ ایمانی نہ جس میں رُوحِ قرآنی
مسلمانوں کو ایسی زندگی راس آ نہیں سکتی
مری منزل بہت آگے ہے عیشِ لالہ و گُل سے
نسیمِ صبح بھی تلوے مرے سہلا نہیں سکتی

ذرا ہشیار رہنا مردِ مومن کی فراست سے
کہ یہ بارِ دگر اے دوست! دھوکا کھا نہیں سکتی

وہ دل ہی کیا کہ جس دل میں نہ ہو طوفانِ بے تابی
اُسے بجلی نہیں کہتے کہ جو ٹھہرا نہیں سکتی

کسی صورت مرا ذوقِ طلب کم ہو نہیں سکتا
مجھے تلوار کی جھنکار بھی ٹھہرا نہیں سکتی

محبت اور ہوس میں کس قدر ہے فرق اے ماہر
مگر یہ بات دنیا کی سمجھ میں آ نہیں سکتی

خیال و فکر کی شیشہ گری میں کچھ بھی نہیں
یقیں نہ ہو تو فقط آگہی میں کچھ بھی نہیں

بغیر سوزِ دروں زندگی میں کچھ بھی نہیں
جو یہ نہیں ہے تو پھر آدمی میں کچھ بھی نہیں

نہ ولولے نہ تمنا نہ اضطراب نہ شوق
گل و سمن کی شگفتہ ہنسی میں کچھ بھی نہیں

خود اپنے سازِ دل و جاں سے نغمہ پیدا کر
کہ چنگ و عود کی نغمہ گری میں کچھ بھی نہیں

حیات، سعیِ مسلسل کا نام ہے اے دوست!
دل و نگاہ کی آسودگی میں کچھ بھی نہیں

گرہ میں باندھ لے ہم سے قلندروں کی یہ بات
شکوہ قیصری و سروری میں کچھ بھی نہیں

لبوں پہ حرفِ محبت دلوں میں بغض و نفاق
یہ دوستی ہے تو پھر دشمنی میں کچھ بھی نہیں

"بیار دستے دبر دوشِ آفتاب انداز"
کہ جگنوؤں کی طرح روشنی میں کچھ بھی نہیں

متاعِ عیش و مسرت کے ڈھونڈنے والو!
سوائے درد مری شاعری میں کچھ بھی نہیں

انجمن

(غزلیں)

جس دل میں خدا کا خوف رہے باطل سے ہراساں کیا ہو گا
جو موت کو خود لبیک کہے وہ حق سے گریزاں کیا ہو گا

آئینِ چمن بندی بھی نہیں، دستورِ نوا سنجی بھی نہیں
اب اس سے زیادہ گلشن کا شیرازہ پریشاں کیا ہو گا

اربابِ محبت سے یہ کہو، شکوے نہ کریں، کچھ کام کریں
جو ظلم و ستم پر اِترائے شکووں سے پشیماں کیا ہو گا

جو لوگ ہوا کے ساتھی ہیں وہ اپنے خدا کے باغی ہیں
اس جرمِ بغاوت سے بڑھ کر ایمان کا نقصاں کیا ہو گا

جس کشتی کی پتواروں کو خود ملاحوں نے توڑا ہو
اُس کشتی کے ہمدردوں کو پھر شکوۂ طوفاں کیا ہو گا

مدت سے کشاکش جاری ہے صیادیں اور گلچینوں میں
تنظیمِ گلستاں ہوتے تک انجامِ گلستاں کیا ہو گا

جس چوٹ سے دل میں ہل چل ہے، آنکھوں میں وہ ظاہر کیا ہو گی
سینہ میں جو محشر برپا ہے اشکوں سے نمایاں کیا ہو گا

اس شامِ خزاں نے اب تک تو ہر طرح سے پردہ داری کی
جب صبحِ بہار آجائے گی اُس وقت تنگیِ داماں کیا ہو گا

خلوت ہو کہ جلوت ہو ماہر دل کھویا کھویا رہتا ہے
اس غم کی تلافی کب ہوگی، اس درد کا درماں کیا ہوگا

○

اس طرف بھی نظر اے دیدۂ صاحب نظراں
مَیں نے ذرّوں سے تراشے ہیں ستاروں کے جہاں
دل کی چوٹیں کہیں آواز میں ڈھل سکتی ہیں
اتنی پُرسوز ہے اس پر بھی ادھوری ہے فغاں
آہ! وہ ذرہ نہ ہو جس پہ گمانِ خورشید،
ہائے! وہ قطرہ کہ جس میں نہیں جذب طوفاں
ہاں! دُعا دے مری اس خوش نگہی کو اے دوست!
اس سے پہلے ترے جلووں کا یہ عالم تھا کہاں
حُسن تو حُسن محبّت کو نہیں یہ معلُوم،
نفسِ غنچہ بھی ہے دل کی نزاکت پہ گراں
مجھ کو خود اپنی خموشی پہ ترس آتا ہے
کون سمجھے گا زمانہ میں محبّت کی زباں
ناوک انداز! ذرا دیکھ کے ناوک فگنی
تیر کے ساتھ ہی ہاتھوں سے نہ چھٹ جائے کماں
کتنے دل سجدہ گزاری کے لئے جاگ اُٹھے

نالۂ نیم شبی ہے کہ محبت کی اذاں
آہِ شبگیر کی زد میں ہے نظامِ مہ و مہر
سینۂ زہرہ و پرویں سے نکلتا ہے دھواں
گرمیٔ نالۂ بلبل کا اثر کیا کہیے!
لالہ و گل کی جبینیں بھی ہیں شبنم افشاں
اپنے ماہر پہ جفا اور جفا اور جفا
اَے جفا ہائے تو خوش تر ز وفائے دگراں"

صبر آزما تھے لمحے شبِ انتظار کے
پھر بھی اُلٹ دیئے ہیں ورق روزگار کے
کچھ اور ہی تھے اب کے تقاضے بہار کے
ہم رہ گئے ہیں پھر بھی طبیعت کو مار کے
جھونکے کچھ آ گئے تھے نسیمِ بہار کے
چلتے بنے دبی ہوئی چوٹیں اُبھار کے
اُن غمزدوں کی بیکسیٔ غم نہ پوچھیے
جو انتظار ہی میں رہے غمگسار کے
اے دوست! تیری وعدہ خلافی کی خیر ہو
اب ڈگمگا رہے ہیں قدم اعتبار کے

○

رضائے دوست جہاں لازمی نہیں ہوتی
کچھ اور چیز ہے وہ بندگی نہیں ہوتی

تسلیوں سے بھی غم میں کمی نہیں ہوتی
یہ بات وہ ہے کہ جو گفتنی نہیں ہوتی

لطافتِ نگہِ ملتفت کا کیا کہنا
کبھی کبھی تو یہ محسوس بھی نہیں ہوتی

دلوں کے واسطے نورِ یقیں ضروری ہے
فروغِ مہر سے تابندگی نہیں ہوتی

یہ بزمِ عیش و ہوس یہ جہانِ سود و زیاں
بڑے بڑوں سے یہاں عاشقی نہیں ہوتی

نگاہِ حسن کی یہ تہمتیں ارے توبہ!
اب اُن کی شوق سے تردید بھی نہیں ہوتی

یہ لازمی ہے کہ دل بھی شریک ہو تاہیر
دماغ ہی سے فقط شاعری نہیں ہوتی

○

شاخیں جھک جھک کے کریں جب گل و ریحاں کو سلام
میری جانب سے بھی یارانِ گلستاں کو سلام

کاروانِ دلِ بے تاب ہے منزل کے قریب
اب ہمیشہ کے لئے عمرِ گریزاں کو سلام

وحشتِ عشق پہ ہنستے ہوئے چہروں کی قسم!
صبح کرتی ہے مرے چاکِ گریباں کو سلام

کوچۂ عشق کے ہر خاک بسر کو سجدہ
منزلِ شوق کے ہر بے سروساماں کو سلام

اب مجھے خود ہی بدلنی ہے زمانہ کی فضا
آخری بار مرا گردشِ دوراں کو سلام

لالہ و گل مرا مقصود ہیں لیکن ماہر
پھر بھی کانٹوں میں اُلجھتے ہوئے داماں کو سلام

○

عہدِ غم دورِ مصیبت بھی گزر جائے گا
یہ بھی طوفان کسی روز اُتر جائے گا

اللہ اللہ! ترے گیسو کا مزاجِ برہم
آج شیرازۂ کونین بکھر جائے گا

صبحِ فردا ترے بیمار پہ ہوگی نہ طلوع
کاروانِ غمِ امروز کدھر جائے گا

پرسشِ غم سے کہیں ذوقِ خلش جاتا ہے
دلِ بے تاب ٹھہرنے کو ٹھہر جائے گا

شکوۂ ہجر پہ ہوجائیں گے عارض گلنار
اور بھی رنگِ رخِ یار نکھر جائے گا

شاید اس وقت وہ آئیں گے تسلی دینے
درد تسکین کی حد سے بھی گذر جائے گا

اُن نگاہوں سے یونہی ربط رہا گر ماہر
میرا اندازِ غزل اور سنور جائے گا

○

طلسمِ ہوش و مستی ہے یہ دھوکا ہے کہ نظارہ
نفس لرزیدہ لرزیدہ نظر آوارہ آوارہ

میں اُس منزل سے گزرا کاروانِ آگہی لے کر
کہ جس منزل میں ٹھوکر کھا گیا منصور بیچارہ

مری فطرت کی یہ حالت نہ مجبوری نہ مختاری
مری ہستی کا یہ عالم نہ ثابت ہے نہ سیارہ
مرے احباب کی طرزِ نوازش آہ کیا کہیئے!
مجھے دینا پڑا شاید بھلائی کا بھی کفارہ
محبت جس کو سمجھے تھے وہ اک پرتو ہوس کا تھا
بہت دن میں کھلا ماہر فریبِ نفسِ امارہ

○

شگفتِ گل کو ہوا میسر نہ لالۂ دلنواز میں ہے
نشاط و مستی کا وہ تبسم جو نرگسِ نیم باز میں ہے
کبھی ہے باطل یہ حق کا دھوکا کبھی حقیقت مجاز میں ہے
ابھی تری چشمِ خود نما شا کشِ انبساز میں ہے
یہی خوشی وجہِ زندگی ہے اسی بھروسے پہ جی رہا ہوں
کہ میری دیوانگی کا منظر نگاہِ دیوانہ ساز میں ہے
زہے تصور! خوشا تخیل! تبارک اللہ! یاد تیری
نظر نظر محو بندگی ہے نفس نفس اب نماز میں ہے
ستارۂ صبح سو نہ جائے طلوعِ خورشید ہو نہ جائے
زمانہ کروٹ نہ لینے پائے کہ حسن ابھی خوابِ ناز میں ہے

○

وہ ہیں سرگرمِ کرم مجھ کو پریشاں دیکھ کر
دل بڑی مشکل میں ہے مشکل کو آساں دیکھ کر
اِس طرف گرداب حائل اُس طرف موجوں کا زور
بڑھ رہا ہوں رفتہ رفتہ نبضِ طوفاں دیکھ کر
قصۂ غم چھیڑ کر میں خود پشیماں ہو گیا
اُن کی آنکھوں کو ابھی سے شبنم افشاں دیکھ کر
حُسن کے ہونٹوں پہ ہلکا سا تبسم آ گیا
عشق کو ناواقفِ آدابِ زنداں دیکھ کر
اے مرے جوشِ جنوں! اُلٹے "اس قدر بڑھنے نہ پائے
دیکھ کر! آویزشِ دست و گریباں دیکھ کر
حضرتِ ماہر تمہارا ان دنوں کیا حال ہے
جیسے چونکا ہو کوئی خوابِ پریشاں دیکھ کر

○

کچھ ایسے درد سے گھبرا کے آہ کی میں نے
غمِ فراق میں اک رُوح پھونک دی میں نے
میں شرمسارِ محبت ہوں تیرے غم کی قسم
دعائے مرگ بھی کی ہے کبھی کبھی میں نے

وفاشناس نہیں ہم وفا شعار بھی ہیں،
وہ کہہ رہے تھے ہنسی روک روک لی میں نے
یہ دیکھ کر کہ ہے سازِ حیات بے آواز
خرد کے ہاتھ سے مضراب چھین لی میں نے
مری بساط کو دیکھ اور میرے دل کو دیکھ
اٹھا لیا ہے ترا بارِ عاشقی میں نے
تم آگئے زہے قسمت! تمہاری عمر دراز
تمہارا نام لیا تھا ابھی ابھی میں نے
جہاں میں مہر و وفا کا نشاں نہیں ماہر
کہ دوستوں کی محبت بھی دیکھ لی میں نے

○

مجھے فریب نہ دے اے نشاطِ میخانہ
میں سن رہا ہوں صدائے شکستِ پیمانہ
جہاں جنوں سے بھی ہے چشمکِ حریفانہ
گزر رہا ہے اب اُن منزلوں سے دیوانہ
نہ آرزوئے بہاراں نہ خوفِ دورِ خزاں
نہ جانے کس نے رکھی تھی بنائے ویرانہ
صنم کدوں کے پجاری ہیں مسجدوں کے امام
حرم کے بھیس میں ہے پھر فروغِ بت خانہ

گدازِ شمع سے واقف، نہ سوزِ غم کی خبر
اُلجھ رہا ہے ابھی روشنی سے پروانہ
کوئی سنے نہ سنے میں سنائے جاتا ہوں
مرا کلام ہے ماہرؔ سرودِ مستانہ

○

سازِ دل جب شبِ فرقت میں صدا دیتا ہے
کوئی آواز میں آواز ملا دیتا ہے
یہ ترا نازِ تغافل بھی مزا دیتا ہے
ہر نظر کو غلط اندازِ بنا دیتا ہے
آتشِ دل کو اُجالے سے ملا دیتا ہے
گرمیٔ شمع کو پروانہ بڑھا دیتا ہے
جانتا ہوں ترے اندازِ کرم کو اے دوست!
نگہِ لطف سے دھوکا مجھے کیا دیتا ہے
شاید اب آخری تدبیر بھی ناکام ہوئی
چارہ گر بھی مجھے جینے کی دعا دیتا ہے
دوستو! زاہدِ خود بیں سے سنبھل کر رہنا
راہ چلتوں پہ یہ الزام لگا دیتا ہے
اُس کی بیگانہ نگاہی پہ نہ جا اے ماہرؔ
حسن انسان کو سنجیدہ بنا دیتا ہے

○

نگاہ و دل کو تجلّی بنا دیا جائے — جو تم کہو تو یہ پردہ اُٹھا دیا جائے

غرورِ حُسن کی آخر کوئی نہایت بھی — کبھی کبھی تو ذرا مُسکرا دیا جائے

حریمِ دل میں کوئی بے نیاز آتا ہے
چراغِ شوق و تمنا بجھا دیا جائے

فغاں! بکہ لذتِ ضبطِ فغاں نے لوٹ لیا — فریب دے کے مجھے رازداں نے لوٹ لیا

مری حیات کا ضامن وہی سفینہ تھا — کہ جس کو کشمکشِ درمیاں نے لوٹ لیا

کسی کو برق کے شعلوں نے کر دیا برباد — کسی کو موجۂ آبِ رواں نے لوٹ لیا

مری جبینِ محبت کو ناز ہے اس پہ
وہ سجدہ جس کو ترے آستاں نے لوٹ لیا

○

منزلِ دوست نہیں رہگذرِ عام ابھی
سیر کرنے کو نہ آئیں سحر و شام ابھی

اسی رستہ سے گیا ہے بُتِ خود کام ابھی
میں نے دیکھی تھی یہیں گردشِ ایام ابھی

لطفِ صیاد پہ اترائیں نہ اربابِ چمن
مجھ کو آتا ہے نظر سلسلۂ دام ابھی

عشق وارفتہ و بے تاب زمانہ بے ذوق
حُسن پہ آنہ سکے گا کوئی الزام ابھی
زینتِ منبر و محراب نظر آتے ہیں
فکرِ انساں کے تراشے ہوئے اصنام ابھی

○

شمع کا عالم، صبح کا منظر
سخت گھڑی ہے پروانوں پر
یارانِ ساحل ہی نہیں جب
کیا ہوگا اب پار اُتر کر
عشق کی نظریں اللہ اللہ
کھُلنے لگے اب حُسن کے جوہر
ہائے! خوشی آئے وائے مسرت
پھر غم آیا بھیس بدل کر

○

ترا یہ نازِ تغافل مرے سلام کے بعد
اب اور کیا ہے ارادہ اس انتقام کے بعد

○

نہ فکرِ غم نہ دل کی پاسداری ۔۔۔ جنوں ہے اک طرح کی ہوشیاری
تبسم یا گلستاں کا سویرا ۔۔۔ خرامِ ناز یا بادِ بہاری

گزر جا لالہ و گل سے گزر جا   جہانِ رنگ و بُو ہے اعتباری
محبت ضبط و خاموشی ہے ماؔہر
فغاں کیا ہے! دلیلِ خامکاری

○

رازِ ہستی کی یہاں کس کو خبر ہوتی ہے
زیست اک سلسلۂ شام و سحر ہوتی ہے
مَیں تری یاد کو اے دوست! دعا دیتا ہوں
زندگی غم میں بھی راحت سے بسر ہوتی ہے
ٹھوکروں ہی سے تو ملتا ہے سراغِ منزل
ظلمتوں ہی سے نمودارِ سحر ہوتی ہے
وہ ابھی سامنے آئے تھے تصور بن کر
دل کی دھڑکن سے بھی تائیدِ نظر ہوتی ہے

○

کچھ بھی نگہِ دوست پہ الزام نہیں ہے
اب تک کوئی شائستۂ پیغام نہیں ہے
خطرے ہیں یہاں بھی کوئی آرام نہیں ہے
کہنے کو نشیمن کا قفس نام نہیں ہے
اگلا سا وہ رنگِ سحر و شام نہیں ہے
پہلے کی طرح گردشِ ایام نہیں ہے

رہرو ہے جو بیٹھا ہے تو اب اٹھ نہیں سکتا
منزل ہے کہ جز رحمتِ یک گام نہیں ہے

پھر بھی کوئی دامن نہ اچھوتا نظر آیا
ہر چند محبت ہوسِ خام نہیں ہے

کچھ اور ہے درکار مری تشنہ لبی کو
ساقی سے مرا واسطہ جام نہیں ہے

دیتی ہے تجھے زیب یہ وعدہ شکنی بھی
اتنی سی بھی گنجائشِ الزام نہیں ہے

میں شکوہ گزارِ ستمِ دوست ہوں ماہر
اب مجھ سے خفا گردشِ ایام نہیں ہے

○

اُن کے وعدوں سے دل بہل نہ سکے
دیر تک سلسلے یہ چل نہ سکے

یوں تو ہر قید توڑ دی ہم نے
دامِ امید سے نکل نہ سکے

تھے وفا ناشناس پروانے
شمع کے ساتھ جل نہ سکے

جب نور دھندلکے کو سویرا نہیں کہتے
ڈوبے ہوئے تاروں کا سحر نام نہیں ہے

○

دل میں اب آواز کہاں ہے
ٹوٹ گیا تو ساز کہاں ہے

آنکھ میں آنسو لب پہ خموشی
دل کی بات اب راز کہاں ہے

سرو و صنوبر سب کو دیکھا
اُن کا سا انداز کہاں ہے

دل خوابیدہ، رُوح فسردہ
وہ جوشِ آغاز کہاں ہے

پردہ بھی جلوہ بن جاتا
آنکھ تجلّی ساز کہاں ہے

○

احساسِ خوشی مٹ جاتا ہے افسردہ طبیعت ہوتی ہے
دل پہ وہ گھڑی بھی آتی ہے جب غم کی ضرورت ہوتی ہے

دو حرف بھی میرے سُن نہ سکے تم اتنے کیوں بیزار ہوئے
مَیں نے تمہیں اپنا سمجھا تھا اپنوں سے شکایت ہوتی ہے

یہ سُود و زیاں کے پیمانے یہ جھوٹے سچے افسانے
ان اہلِ ہوس کی باتوں سے بدنام محبت ہوتی ہے

ماہرؔ کی سادہ باتوں سے اللہ بچائے ہی رکھے
خود تو یہ بڑے ہی حضرت ہیں اوروں کو نصیحت ہوتی ہے

○

یہ تو مرے نصیب ہیں مجھ کو خوشی نہ مل سکی
آپ نے کچھ کمی نہ کی کوششِ التفات میں

بزمِ شہود سے بلند ایک جہان اور ہے
صَرف نہ کر نگاہ کو صرف مشاہدات میں

اے دلِ خوگرِ صفات کچھ بھی نہیں تری بساط
وہم کا بھی گزر نہیں اُن کے حریمِ ذات میں

مجھ کو بھی خود یقیں نہیں شوق نے کیسے طے کئے
غم کے ہزار مرحلے ہجر کی ایک رات میں

○

نگاہ دل کی طرح بے قرار کیا ہوگی
نظر سے دل کی خلش آشکار کیا ہوگی

جس آئینہ میں تخیل سے بال پڑ جائے
اُس آئینہ کو نظر کی سہار کیا ہوگی

اُسے اُمید تو ہے فصلِ گُل کے آنے کی
مری طرح سے خزاں سوگوار کیا ہوگی

یہ سوچ کر ہی مصیبت کے دن گزارے ہیں
کہ زندگی میں یہ مدت شمار کیا ہوگی

○

مرا دل لائقِ رنج و محن ہے
مگر یہ بھی تمہارا حُسنِ ظن ہے
اُسے راس آئے گی کیا شامِ غربت
نظر پروردۂ صبحِ وطن ہے
زہے عظمت! مری خاکِ نشیمن
زیارت گاہِ اربابِ چمن ہے

○

دُنیا کو کہیں مسکنِ راحت نہ سمجھنا
دوزخ ہے یہ دوزخ اسے جنّت نہ سمجھنا
تکبیر میں اخلاص نہ سجدوں میں صداقت
زاہد کی نمازوں کو عبادت نہ سمجھنا
اے دوست! تری زیست ہے اک جہدِ مسلسل
فرصت بھی میسر ہو تو فرصت نہ سمجھنا
وہ دُور چلے جائیں تو دلگیر نہ ہونا
وہ پاس بھی آجائیں تو قربت نہ سمجھنا

دل میں ہے وہی ساغر و مینا کا تصور
میخوار کی توبہ کو ندامت نہ سمجھنا
یہ چہرہ بے رنگ یہ ویران نگاہیں
اے دوست! مرے غم کو شکایت نہ سمجھنا

○

وہ سفینہ جو کنارے سے گریزاں ہوگا
اُس کو کیا شکوۂ بے تابیٔ طوفاں ہوگا
فصلِ گل آئے گی پھر عیش کا ساماں ہوگا
دور تک سلسلۂ ابرِ بہاراں ہوگا
مرحلہ غم کا ہے مشکل مگر آساں ہوگا
تُم نہ چاہو گے تو کیوں حال پریشاں ہوگا
آندھیاں آئیں گی تنظیمِ گلستاں ہوگی
بجلیوں ہی سے نشیمن میں چراغاں ہوگا
پرسشِ غم کا وہ ہنس ہنس کے ارادہ نہ کریں
ایسی باتوں سے تو جی اور پریشاں ہوگا
مَیں نے کھائے ہیں بہت تیری نگاہوں کے فریب
مجھ پہ اب کیا اثرِ گردشِ دوراں ہوگا
یہی قطرے ہیں جو مل جُل کے بنیں گے طوفاں
انہی ذرّوں سے نمودارِ بیاباں ہوگا

آتے آتے ہی محبت میں قرار آئے گا
ہوتے ہوتے ہی علاجِ غمِ پنہاں ہوگا
رسم و آداب تو ہیں ہوش کی باتیں ماہر
وہ جنوں کیا ہے جو پابندِ گریباں ہوگا

○

اب نہیں ہے وہ نگاہِ شوق کی بے مائگی
بند آنکھوں کو مبارک عشرتِ نظارگی
زلفِ سنبل بے نیازِ زحمتِ مشاطگی
حسنِ فطرت ہے سراپا سادگی ہی سادگی
گریۂ شبنم سے پھولوں کو سہارا مل گیا
آنسوؤں نے پھونک دی گلشن میں روحِ تازگی
یاد آتے ہی ترے دنیا کے غم یاد آ گئے
ظلمتوں میں گم ہوئی جاتی ہے پھر تابندگی
اہلِ کشتی کو غمِ طوفان و بیمِ موج موج
اہلِ ساحل مبتلائے فتنۂ آسودگی
لمحہ لمحہ اضطراب و لحظہ لحظہ انقلاب
ختم ہونے کو ہے شاید اقتدارِ خواجگی
ہر نظر لطفِ تجلی، ہر نفس پیغامِ دوست
ایسے عالم میں ہے کس کو فرصتِ آوارگی

میری شانِ بندگی مختار ہے آزاد ہے
میرا یہ مسلک نہیں ہے "بندگی بیچارگی"

او نگاہِ فتنہ ساماں! اے خدنگِ بے حجاب
تو نے کس کافر سے سیکھی ہے تغافل پیشگی

دیکھتے ہیں آپ ناہر کو عجب انداز سے
کچھ توجہ، کچھ حیا، کچھ ناز، کچھ بیگانگی

○

فکرِ موجِ طوفاں سے واسطا نہیں رہتا
جب کبھی سفینہ میں ناخدا نہیں رہتا

وہ نہیں تو غم اُن کا ساتھ رہتا ہے
اُن سے چھوٹ کر بھی دل کچھ بُرا نہیں رہتا

دل میں اور آنکھوں میں صرف انہی کے جلوے ہیں
اب ہماری دنیا میں دوسرا نہیں رہتا

منزلِ محبت میں سوچ کر قدم رکھنا
پھر کہیں بھی جانے کا راستا نہیں رہتا

دل لہو لہو ہے جب پھر ہنسی سے کیا حاصل
اس طرح چھپانے سے غم چھپا نہیں رہتا

داستانِ غم سُن کر کچھ نہ کچھ تو کہہ دیجئے
اتنی دیر تک کوئی سوچتا نہیں رہتا

مجھ پہ ایسے عالم بھی زندگی میں گذرے ہیں
آشنا بھی جب ماہر آشنا نہیں رہتا

○

کسی سے مل کے جہاں حسن چال چلتا ہے
اسی جگہ سے محبت کا رُخ بدلتا ہے
خدا کے واسطے کم داغِ آرزو کی قدر
کہ مدتوں میں یہ سورج کہیں نکلتا ہے
فروغِ مہر بھی دیکھا، نمودِ گلشن بھی
تمہارے سامنے کس کا چراغ جلتا ہے
ابھی تو صرف ہے آغازِ انتقامِ وفا
ابھی تو حسن فقط کروٹیں بدلتا ہے

○

غم نہ ہوتا کوئی تسکیں کا نہ ساماں ہوتا
آدمی صرف پریشاں ہی پریشاں ہوتا
لالہ و گل نہ سمجھنا مرے دل کو اے دوست!
غم کوئی رنگ نہیں ہے جو نمایاں ہوتا
وہ جو آئے تھے تو اے ضبط! بعنوانِ خوشی
کم سے کم ایک ہی آنسو سرِ مژگاں ہوتا

○

عقل باایں یقین و عزم شرک میں مبتلا بھی ہے
فضلِ خدا پہ ہے نظر منتِ ناخدا بھی ہے
موت کی شکل دیکھ کر آدمی مطمئن نہ ہو
یعنی اس انتہا کے بعد اور اک ابتدا بھی ہے
آہ! وہ آنکھ جس میں ہیں یاس و امید ساتھ ساتھ
ہائے! وہ آہِ سرد جو شکر بھی ہے گلہ بھی ہے
آپ کے عہد میں کہیں حسن کو لوگ بے وفا
آپ کو کچھ خبر بھی ہے آپ نے کچھ سنا بھی ہے
میری نگاہِ شوق کو اُن کی نگاہِ شوخ سے
پاس کی نسبتیں بھی ہیں دُور کا واسطہ بھی ہے

○

میں کیا کروں مرے دل کی عجیب حالت ہے
تری نوازشِ پیہم سے بھی شکایت ہے
کبھی گلہ تری بیگانگی سے تھا مجھ کو
جواب ہوئی ہے توجہ تو اک قیامت ہے
میں اُس کے ناز اُٹھاؤں کہ دل جلائے نیاز
وہ حسن جو مری تقدیر سے محبت ہے

تری منزل گلستاں ہے نہ تیری راہ ویرانہ
گزر جا ہر مقامِ این و آں سے بے نیازانہ
ابھی ہے اس حقیقت سے چراغِ صبح بیگانہ
کہ سوزِ عشق گردش میں ہے پروانہ بہ پروانہ
تجھے خواہش سکوں کی اور میں جویائے بیتابی
ترا مشرب رواداری مرا مسلک حریفانہ

زوالِ ابنِ آدم ہو رہا ہے
یہ کیا دنیا کا عالم ہو رہا ہے
قدم اُٹھتے ہی بڑھ جاتی ہے منزل
بظاہر فاصلہ کم ہو رہا ہے
کسے شعلوں کے افسانے سناؤں
یہاں تو ذکرِ شبنم ہو رہا ہے
تری پلکوں پہ لرزاں ہیں ستارے
یہ کس ظالم کا ماتم ہو رہا ہے

رہبر کو پا سکا نہ مجھے ہم سفر ملے
دھندلے سے کچھ نشان سرِ رہگذر ملے
وہ میرے عرضِ غم پہ اچٹتی ہوئی نگاہ
جتنے مجھے جواب ملے مختصر ملے
لینا ہے مجھ کو فطرتِ ظالم سے انتقام
قسمت سے دو دلوں کے ستارے اگر ملے

جو چیز ہے سرگرمِ سفر ہو کے رہے گی
ہر راہ تری راہگذر ہو کے رہے گی
پھولوں پہ بھی راحت سے گزر جائے گا اک دن
کانٹوں پہ بھی اک رات بسر ہو کے رہے گی

مرے عزمِ سجدہ کی سادگی ہے تمام حاصلِ بندگی
کہ ابھی سے بابِ قبول کو کسی التجا کی تلاش ہے

○

جوشِ جنوں کو چاہئیں ساماں نئے نئے
لائے کوئی کہاں سے گریباں نئے نئے

○

دل کو پھر ٹوٹی امیدوں نے سہارا دے دیا
آج کچھ جگنو اندھیرے میں نظر آنے لگے
آپ مجھ کو مل گئے کیوں زندگی کے موڑ پر
اور وہ بھی اس طرح ملتے ہی کترانے لگے

○

تباہی دین و ایماں کی تباہی
ارے توبہ! تری سادہ نگاہی
سُنی جائے گی کیا دل کی گواہی
محبّت خود ہے جُرمِ بے گناہی
جنوں کے راستے سُونے پڑے ہیں
نہ ہنگامے نہ رہبر ہے نہ راہی
وہی دل اور امیدوں کا طوفاں
وہی غم اور اُس کی بے پناہی
یقیں کے ساتھ شانِ بے نیازی
وہ درویشی ہے رشکِ کجکلاہی

مری دنیا ہے بس قرآن و شمشیر
نہ دو مجھ کو فریبِ خانقاہی

○

صبحِ چمن ہے انجمن آرا قفس قفس
ہے موجزن شمیمِ تمنا نفس نفس
رہبر بھی خود پسند ہیں رہرو بھی سُست گام
خود منزلیں ہیں گرمِ تقاضا جرس جرس
اب بھی وہی ہیں حُسن کی دیوانہ سازیاں
جوشِ جنوں ہے بادیہ پیما فرس فرس
ہنگامۂ نشاط ہمارے ہی دم سے تھا
فصلِ بہار آئے گی تنہا برس برس

○

جلوے تمام صرفِ نظر ہو کے رہ گئے
جو گل نہ بن سکے وہ ثمر ہو کے رہ گئے
کس جوش سے چلے تھے مسافر مگر یہ کیا
آسودۂ نشاطِ سفر ہو کے رہ گئے
راہِ وفا نہ ختم ہوئی ہے نہ ہو سکے
اچھے رہے جو خاک بسر ہو کے رہ گئے

ذرّے ہوئے بلند ہوا ان کو لے اُڑی
قطرے ہوئے جو پست گہر ہو کے رہ گئے

جوشِ نیاز و ناز نہ طوفانِ سوز و ساز
کیا حسن و عشق شیر و شکر ہو کے رہ گئے

ماہر یہ جدّتیں یہ ترقی پسندیاں
جتنے بھی عیب تھے وہ ہُنر ہو کے رہ گئے

○

آدمی واقفِ اسرار نہ ہونے پائے
زندگی خواب سے بیدار نہ ہونے پائے

دل نے آغازِ محبت میں دُعا مانگی تھی
جیت ہی جیت رہے ہار نہ ہونے پائے

دیکھ او شکوہ گزارِ شبِ فرقت ہشیار!
تیری فریاد دل آزار نہ ہونے پائے

○

اُن کی رفتار کی ہم نے تو یہ صورت دیکھی
چال کی چال قیامت کی قیامت دیکھی

غمِ فرقت کی جو بڑھتی ہوئی شدّت دیکھی
موت نے میرے نہ مرنے کی ضرورت دیکھی

○

دید کے قابل ہے اُس گُل رنگ ماتھے کی شکن
جیسے برگِ لالہ و گل پر ٹھہر جائے کرن

بے اثر ہیں سینکڑوں نغمے نہ ہو گر دل میں سوز
ایک نالہ سے بدل جاتا ہے رنگِ انجمن

اے کراچی! تیرے نظارے کا پیہم شکریہ!
اس کو کیا کیجیے کہ پھر بھی یاد آتا ہے وطن

○

نہ طولِ وقت نہ اب فاصلے ہیں منزل کے
نگاہ لوٹ رہی ہے، نگاہ سے مل کے

مصیبتوں کی شکایت نہ آرزو کی طلب
بڑھا دئے ہیں ترے غم نے حوصلے دل کے

الٰہی خیر مرے شوقِ جستجو کی خیر
قدم قدم پہ ہیں آثار قربِ منزل کے

○

نہ وہ خلوتوں میں لذّت نہ وہ لطفِ انجمن ہے
اسی غم کا نام شاید غمِ دوریٔ وطن ہے

نہ گلے نہ کچھ شکایت نہ فسانہ و حکایت
ابھی عشق بے زباں ہے ابھی حسن کم سخن ہے

تجھے اپنے غم سے مطلب مجھے غم ہے دوسروں کا
ترے سامنے نشیمن مرے سامنے چمن ہے

○

جو تو نے دیکھا ہے خوابِ اُلفت تو اُس کی تعبیر بھی ملے گی
جنوں ملے گا تو ساتھ اُس کے ذرا ذرا آگہی ملے گی
ہوئے تھے جس دن اسیر ہم سب چمن کے آثار کہہ رہے تھے
تم آؤ گے جب چمن سے چھٹ کر بہار جاتی ہوئی ملے گی

○

بزم میں احساسِ فرقت اور ہو جاتا ہے تیز
مار ڈالے گا یہ ربطِ شمع و پروانہ مجھے

○

وعدہ کر لینے سے تو وعدہ وفا ہوتا نہیں
اوس کی بوندوں سے پیاسے کا بھلا ہوتا نہیں
آنکھ اٹھانے کا بھی مجھ کو حوصلہ ہوتا نہیں
اُن کی محفل میں بھی اُن کا سامنا ہوتا نہیں
ہر کسی کا دل نزاکت آشنا ہوتا نہیں
حُسن کا برتاؤ، جورِ نا روا ہوتا نہیں
کاش! اتنا سوچتا حُسنِ تغافل آشنا
عشق ہر در پر مقدر آزما ہوتا نہیں

یہ تو سب کہنے کی باتیں ہیں کہ دُنیا ہیچ ہے
مرتے دم تک آدمی بے آسرا ہوتا نہیں

اے نگاہِ شوق! نظارے کی جرأت سوچ کر
زندگی بھر پھر یہ کفّارہ ادا ہوتا نہیں

○

اک اک ادا تری دمِ رخصت نظر میں ہے
اب تک وہ دل نشین قیامت نظر میں ہے

غم کی شکایتیں نہ مسرّت نظر میں ہے
اب کچھ نہیں ہے صرف محبت نظر میں ہے

پھولوں پہ ڈالتا ہوں جھجکتی ہوئی نگاہ
شبنم کے آنسوؤں کی نزاکت نظر میں ہے

میں کیا بتاؤں کونسا عالم ہے سامنے
معنیٰ پہ ہے نگاہ نہ صورت نظر میں ہے

نظارہ گر نصیب نہیں ہے نہیں سہی
یہ بھی بہت ہے دید کی حسرت نظر میں ہے

ماہرؔ وہ صبح و شامِ سوادِ وطن کہاں؟
چھ سال سے تو وادیٔ غربت نظر میں ہے

○

پلک جھپکتے ہی مَیں نے دیکھا گزر چکا ہے بہت زمانہ
سمندِ عمرِ رواں کو شاید نفس کی جنبش ہے تازیانہ

نہ تجھ میں اندازِ خسروی ہے نہ مجھ میں جذبِ قلندرانہ
وہ تیری حالت برونِ در ہے یہ میرا عالم درونِ خانہ

جنوں کے آثار ہیں نمایاں بہار کا آگیا زمانہ
خرد سے تم مشورہ نہ کرنا تراش دے گی کوئی بہانہ

مری طبیعت مسرتوں سے ہمیشہ دامن کشاں رہی ہے
کہ غم کی فطرت میں سادگی ہے خوشی کی فطرت ہے مجرمانہ

روش روش تیری رہگذر ہے چمن چمن تیرا منتظر ہے
زمین تری تیرا آب و دانہ فلک فلک تیرا آشیانہ

وہ محشرِ اضطراب بھی ہیں وہ جانِ صبر و قرار بھی ہیں
جہاں جہاں وہ ٹھہر گئے ہیں وہیں وہیں رُک گیا زمانہ

جہاں کی بدلی ہوئی ہوا ہے نہ جانے دُنیا کو کیا ہُوا ہے
جگہ جگہ ہے ہوس کی دولت، کہیں کہیں عشق کا خزانہ

ہے سر میں سودائے سجدہ ریزی ارے! یہ شوقِ طلب کی تیزی
ترا غمِ بندگی سلامت جبیں کی زد میں ہے آستانہ

مَیں ہر اُفق سے طلوع ہو کر جہاں میں ظاہر ہُوا ہوں ماہرؔ
کہیں مرا طرز ناصحانہ، کہیں مرا رنگ عاشقانہ

○

محبت عرش و گردوں ساز بھی ہے
محبت فرشِ پا انداز بھی ہے
خموشی پردہ دارِ راز بھی ہے
یہی ظالم مگر غمّاز بھی ہے
ادیبؔ! اے جوشِ غم، جوشِ تمنّا
حریمِ دل، حریمِ ناز بھی ہے
سکوتِ لالہ و گُل پر نہ جانا
اسی میں شعلۂ آواز بھی ہے
قفس کیا اور قفس کی تیلیاں کیا
کسی میں جراْتِ پرواز بھی ہے
یہی انجام کا مارا ہُوا دل
ہلاکِ عشرتِ آغاز بھی ہے

○

اس جہاں میں ہر کوئی کرتا ہے مُنہ دیکھے کا پیار
شمع کے بجھتے ہی پروانے بھی رخصت ہو گئے
زندگی کا ماحصل غم کے سوا کچھ بھی نہ تھا
جتنے پہلو غم کے تھے صرفِ محبت ہو گئے

اب مرے افسانۂ غم پر ہنسی آتی نہیں
بندہ پرور! آپ اتنے بے مروت ہو گئے

○

اس طرح وہ خیال میں آئے
شاخ لچکی اُچٹ گئے سائے
چاک دل پہلے ہوئے غنچے
جب کہیں جا کے پھول کھلائے
کچھ غموں نے بھی فتنہ سازی کی
کچھ خوشی نے بھی جال پھیلائے
وہ کہ دنیا بھی دین بھی اُن کا
ہم کہ دونوں طرف سے ٹھکرائے

○

فطرتِ دل بدل نہیں سکتی
پھانس غم کی نکل نہیں سکتی
موت سے اس قدر نہ ڈر ناداں!
یہ قیامت تو ٹل نہیں سکتی

○

ہنسنے پہ مرے سب کو مسرت کا گماں ہے
دنیا ابھی ناواقفِ اسرارِ فغاں ہے
نظارہ تو دراصل ہے اک جراُتِ گستاخ
جلووں کی لطافت پہ تصوّر بھی گراں ہے

○

تجلّی بے حجابی کے لئے تیار ہو جائے
نگاہِ شوق تھوڑی سی اگر خوددار ہو جائے
مصیبت کا بھی اک مقصد ہے دنیائے حوادث میں
کہ اک ٹھوکر لگے اور آدمی ہشیار ہو جائے
اُسے کیا زندگی کا لُطف جس کی یہ تمنّا ہے
مجُھی پر صرف سارا التفاتِ یار ہو جائے

○

جب غم کی لطافت بڑھتی ہے جب درد گوارا ہوتا ہے
اشکوں میں تبسّم ڈھلتا ہے فریاد میں نغمہ ہوتا ہے
جب نام تمہارا آتا ہے، جب ذکر تمہارا ہوتا ہے
آنکھوں میں چمک آجاتی ہے دل ہے کہ دھڑکتا ہوتا ہے

فرقت کی بھیانک راتوں میں کیا طرفہ تماشا ہوتا ہے
شمعیں بھی فروزاں رہتی ہیں اور گھر میں اندھیرا ہوتا ہے

بیمار کی حالت کیا کہئے درد آخری حد میں آ پہنچا
پرسش کا زمانہ بیت گیا تسکین سے اب کیا ہوتا ہے

سورج کی شعاعیں افسردہ، آنکھیں پُرنم دل پژمردہ
اک جب بھی سویرا ہوتا تھا اک اب بھی سویرا ہوتا ہے

وہ یاد سلامت ہے جب تک دُنیا کے غموں کی کیا پروا
کانٹوں میں بھی رہ کر اے ہمدم! پھولوں میں بسیرا ہوتا ہے

یہ واعظ و صوفی کی باتیں ہر بات کی سو سو تاویلیں
معنی کی خبر دونوں کو نہیں الفاظ پہ جھگڑا ہوتا ہے

سمجھو تو خموشی سب کچھ ہے، دیکھو تو خموشی کچھ بھی نہیں
آواز بھی ہے، الفاظ بھی ہیں مفہوم بھی پیدا ہوتا ہے

ماہر مرے شعروں کے خاکے اس طرح مرتب ہوتے ہیں
کچھ دل بھی تقاضا کرتا ہے کچھ اُن کا اشارا ہوتا ہے

تا آں بتِ گلفام بہ گلشن نہ رسیدہ
بلبل نہ سرائید، نسیمے نہ وزیدہ
از بُو نتواں کرد جہانے گرویدہ
آں غنچۂ نورس کہ گریباں نہ دریدہ
افسوس! مریضے کہ بہ ہجراں نتواں مُرد
اے وائے! مسافر کہ بہ منزل نہ رسیدہ
با چاکِ گریباں ترا دیوانہ نہ گویم
در پائے تو یک خارِ بیاباں نہ خلیدہ
گیسو بکُشا، دامن فگن، ناز بفرما
اے دوست! کرم کن بہ غزالانِ رمیدہ
فریاد ز اندازِ ستم کوشیٔ گلچیں
او باز نظر کرد بہ گل ہائے نہ چیدہ
در عالمِ مستی بشنو از لبِ ماہر
سرّیست کہ ہم گوشِ ملائک نہ شنیدہ

سرشکے بہ چشم چکیدہ چکیدہ
شرابِ محبت مگر ناکشیدہ

بہ ایں سعی و کاوش بصد فکر و دانش
غزالِ تمنا رمیدہ رمیدہ

بہار آمد و جوشِ وحشت فزوں شد
گریبانِ عاشق دریدہ دریدہ

خیالِ قدِ او کہ یک شعرِ موزوں
بہ ذہن و طبیعت خلیدہ خلیدہ

نہ بے باک فطرت نہ آگاہِ طوفاں
کہ ایں مرغکے برق و باراں نہ دیدہ

الٰہی چہ سازم بہ شیخِ طریقت
خلش نارسیدہ، الم ناچشیدہ

ز تہذیبِ افرنگ عالم پریشاں
نظر تیرہ باطن، خرد نارسیدہ

غریبِ عشق سامانے ندارد
جنوں دارد بیابانے ندارد

زہے غم باغمگسارے را نجوید
خوشا دردے کہ درمانے ندارد

محبت فارغ از رسم و تکلف
اسیرِ عشق زندانے ندارد

بہارِ او گلستاں در گلستاں
بہارِ من گلستانے ندارد

مبیں الفاظ در اشعارِ ماہر
حدیثِ شوق پایانے ندارد

غزل ـــــ اور گیت بھی!

کیسی موجیں کیا منجدھار　　　اب کے کشتی آر کہ پار
جتنے دیکھے دنیا دار　　　تن چنگا اور من بیمار
عشق کہاں تک روکے گا　　　حُسن کے اوچھے اوچھے وار
ایک نہیں دو چار نہیں　　　لاکھوں نظریں اُن پہ اُدھار
اُمیدوں کے تاج محل　　　ارمانوں کے شالامار
مورکھ ہے وہ پاپی ہے　　　فرض کو جو سمجھے بیگار

یہ بھی زمانہ دیکھ لیا
چور بنے ہیں چوکیدار

میرے وہ اشعار جو غزل نہ بن سکے

کرم تو کیا وہ ستم کی نگاہ بھی نہ رہی
میں کیا کروں مری دنیا تباہ بھی نہ رہی

زندگی موت میں تبدیل ہوئی جاتی ہے
آخری حکم کی تعمیل ہوئی جاتی ہے

میری صورت سے بھی ظاہر ہوں غم کے آثار
کوئی آئینہ مجھے روز دکھا دیتا ہے

مجھ کو کہنا تھا کچھ ستاروں سے
کام لینا پڑا اشاروں سے

ضبطِ غم، فکرِ وفا، پاسِ جنوں، وصل و فراق
کتنے طوفان محبت میں گزر جاتے ہیں

اب بھی اخلاص و محبت کا جہاں باقی ہے
آستاں پر مرے سجدے کا نشاں باقی ہے

نہ جانے یہ کیا وقت آیا ہے دل پر
تمہیں بھول جانے کو جی چاہتا ہے

نقاب اُٹھتے ہی بیگانہ ہو گئیں نظریں
مری نگاہ نے جلووں سے انتقام لیا

شکستِ شیشۂ دل غور سے سُن ... صدائے باز گشت آئے نہ آئے

کون دیتا ساتھ اُن کی گرمیٔ رفتار کا ... گردشِ ایام تھوڑی دور چل کر رہ گئی

عارض کی جو چھوٹ پڑ رہی ہے ... ہے شام کے وقت دوپہر سی

ایک انگڑائی کا طوفاں تھا جسے روک دیا ... مجھ سے خود بھول ہوئی میں نے تمہیں ٹوک دیا

خامشی حسن بیانے دارد
نگہِ شوق زبانے دارد

چلی چمن سے یہ کہتی ہوئی نسیمِ سحر
کہ زادِ راہ ضروری نہیں سفر کے لئے

ایک ملحد انقلابی شاعر سے!

کانوں میں پیالوں کی کھنک آتی ہے
آنکھوں میں تری مے سے چمک آتی ہے
پیتا ہے جو تو آگ کو پانی کر کے
مُنہ سے ترے دوزخ کی بھبک آتی ہے

اخلاق سے اجتناب سبحان اللہ!
کانٹوں پہ رگِ گلاب سبحان اللہ!
انسان کو حیوان بنانے کی فکر
یہ دعوتِ انقلاب سبحان اللہ!

یہ جو مئے ناب کی فراوانی ہے
مزدور کے خون ہی کی ارزانی ہے
او بادہ کشی کا درس دینے والے
اس نغمہ کی لے میں صوتِ شیطانی ہے

ےحیوانی
رجس من عمل الشیطان

خوشہ پروین

(رُباعیات)

احساس بلند و پست ہو جاتا ہے
عقبیٰ کا بھی بندوبست ہو جاتا ہے
خود نفس پر اپنے غور کرتے کرتے
انسان خدا پرست ہو جاتا ہے

دل وہم و گماں کی نیند سو جاتا ہے
خود اپنی ہی جستجو میں کھو جاتا ہے
زنداں کی فضا میں سانس لیتے لیتے
شیروں کا مزاج مردہ ہو جاتا ہے

برسات میں برگ و بار دُھل جاتے ہیں
گلشن نہیں کوہسار دُھل جاتے ہیں
ایسی بھی کوئی گھٹا برستی اے کاش!
جس سے دل کے غبار دُھل جاتے ہیں

سوتی ہوئی زندگی کو چونکانا ہے
بھٹکے ہوئے دل کو راہ پر لانا ہے
شعلوں پہ بھی احتساب کرنا ہوگا
بجھتی ہوئی آگ کو بھی بھڑکانا ہے

کوشش سے جہاں میں کیا نہیں ہو سکتا
انسان مگر خدا نہیں ہو سکتا
شکر نعمت تو کیا کرے گا کوئی
اک سانس کا حق ادا نہیں ہو سکتا

غم سے جو کبھی گریز ہو جاتا ہے
ہنگامۂ رستخیز ہو جاتا ہے
ٹکرا کے چٹان سے بصد خودداری
دریا کا بہاؤ تیز ہو جاتا ہے

طوفان کو بڑھ کے تھام لینا ہوگا
جرأت سے جہاں میں کام لینا ہوگا
مظلوم کی دلدہی بھی کرنی ہوگی
ظالم سے بھی انتقام لینا ہوگا

خالق کا گواہ خود ہے دنیا کا وجود
آیت ہے خدا کی عالم ہست و بود
سائنس کی سعیٔ بے نہایت کی قسم
ایمان نہیں تو علم و دانش بے سود

پھولوں کی مہک سے کام لینا ہو گا
کانٹوں کی کھٹک سے کام لینا ہو گا
ہاتھوں میں سنان و تیغ کے آنے تک
ڈالی کی لچک سے کام لینا ہو گا

انسان تمام عمر رو سکتا ہے
تقدیر کے داغ کون دھو سکتا ہے
امید کی جستجو میں جینے والے
سایہ بھی کہیں اسیر ہو سکتا ہے

جو سانس ہے رائگاں نظر آتا ہے
جو نقش ہے بے نشاں نظر آتا ہے
ہوں گے کہیں برقِ آرزو کے جلوے
مجھ کو تو فقط دھواں نظر آتا ہے

اکھڑے ہوئے فتح کے نشاں گڑتے ہیں
موجوں سے حبابوں کے پرے لڑتے ہیں
آتا ہے قلندروں کو جس وقت جلال
شاہوں کے سروں سے تاج گر پڑتے ہیں

اِک آہ بھی کارگر نہیں ہو سکتی
اک سانس بھی معتبر نہیں ہو سکتی
پروردۂ برق ہے نظامِ ہستی
تسکینِ دل و نظر نہیں ہو سکتی

ہر حادثہ کامیاب بن سکتا ہے
جینا بھی یہاں عذاب بن سکتا ہے
کلفت میں خوشی کا رنگ بھرنے والے
کانٹا بھی کہیں گلاب بن سکتا ہے

سینۂ مہ و کہکشاں کا شق ہو جائے
سورج کی جبیں عرق عرق ہو جائے
انسان کا غم اگر کہیں ظاہر ہو
تنظیمِ جہاں ورق ورق ہو جائے

جو چیز یہاں رواج پا جاتی ہے
انساں کے مزاج میں سما جاتی ہے
آنسو ہی نہیں دلیلِ سوزِ پنہاں
ہونٹوں پہ کبھی ہنسی بھی آجاتی ہے

ہر ذرّہ حریفِ ماہ بن جاتا ہے
ہر نقش دلیلِ راہ بن جاتا ہے
دل ہو جو غنی تو ملک و دولت کے بغیر
درویش بھی کجکلاہ بن جاتا ہے

کانٹوں پہ بھی ایک شب گزر سکتی ہے
بے منت و بے طلب گزر سکتی ہے
کیوں نفس کو اپنے دے رہا ہے دھوکے
جب زندگی بے طرب گزر سکتی ہے

اے دوست! مصیبتوں سے گھبراتا ہے
اللہ کی نعمتوں کو ٹھکراتا ہے
معلوم ہے سوزِ غم کی گرمی پاکر
انساں کا ضمیر تک نکھر جاتا ہے

جمشید کا دورِ جام باقی نہ رہا
وہ عیش وہ اہتمام باقی نہ رہا
اللہ کی شانِ بے نیازی کی قسم
کتنوں کا جہاں میں نام باقی نہ رہا

جس نے اپنی خودی کو پہچانا ہے
اللہ کو جانا ہی نہیں مانا ہے
بے سوزِ یقیں یہ زندگی ہے لعنت
دُنیا کو یہی سبق تو سمجھانا ہے

[میرے کلام کے چار مجموعے (محسوساتِ ماہر، نغماتِ ماہر، جذباتِ ماہر اور ذکرِ جمیل) اب تک شائع ہو چکے ہیں، اس مجموعے (فردوس) میں ۱۹۴۵ء سے لے کر ۱۹۵۵ء کے وسط تک کا کلام شامل ہے، بعض رومانی نظمیں اور غیر محتاط رنگین اشعار میں نے قصداً چھانٹ دیئے، یہ بڑا سخت مجاہدہ تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس دشوار مرحلہ میں میری مساعدت فرمائی!

مندرجہ ذیل اشعار تازہ ترین ہیں اور "فردوس" کے یہ آخری مناظر ہیں۔

ماہر القادری]

کچھ اس طرح ستمِ روزگار ہوتا ہے
قفس کے سامنے ذکرِ بہار ہوتا ہے

خدا کے واسطے دامن کا چاک سینے دو
کبھی کبھی تو جنوں ہوشیار ہوتا ہے

وہ سامنے ہوں تو آنسو نکل ہی جاتے ہیں
یہ جُرم وہ ہے جو بے اختیار ہوتا ہے

وفا کا ذکر ہی کیوں چھیڑتے ہیں اہلِ وفا
جب اُن کی خاطرِ نازک پہ بار ہوتا ہے

میں مطمئن ہوں اگرچہ خراب ہے ماحول
خزاں کے بعد کا عالم بہار ہوتا ہے

○

جاتے ہو تو جاتے ہوئے اک تیرِ نظر اور
یہ غم مری طاقت سے زیادہ ہے مگر اور
اے اہلِ نظر! ایک توجہ کی نظر اور
اشکوں کے گہر اور ہیں شبنم کے گہر اور
ہم اُٹھ کے تری بزم سے جائیں تو کہاں جائیں
ہے اس کے سوا بھی کوئی فردوسِ نظر اور
اے شوخیٔ رفتار! بس اک گام کی زحمت
باقی ہیں ابھی راہ میں کچھ خاک بسر اور
یہ اور قیامت ہے کہ بے رنگ ہیں آنسو
حالت ہے مری اور یہ دیتے ہیں خبر اور

○

وہ آئے ہر کسی کے سامنے اور بار بار آئے
بہ نامِ رنگ و بُو آئے بہ عنوانِ بہار آئے
وہ آئے اور لے کر مژدۂ صبر و قرار آئے
یہی لمحے محبت میں مجھے ناسازگار آئے
یہ حالت ہو گئی ہے ان دنوں اپنے گلستاں کی
نہ جانے کب خزاں جائے نہ جانے کب بہار آئے
ہُوا دار و رسن کا معرکہ جب گرم دنیا میں
تو ہنستے[۱] کھیلتے وابستگانِ زلفِ یار آئے

۱؎ اخوان المسلمین کے شہیدوں کی یاد میں

اِدھر اک جمگھٹا ہے نااُمیدانِ محبت کا   سنبھل کر اس طرف اب گردشِ لیل و نہار آئے
تغافل کا گلہ اُن سے نہ کرنا تھا ابھی ماہر
یہ تم نے کیا کیا جیتی ہوئی بازی کو ہار آئے

شرم و غیرت ہے آبروئے جمال   اَے مرے شاہدِ پری تمثال
سر سے آنچل ڈھلک گئے تو کیا   تو مگر دامنِ نظر کو سنبھال
ذرّے تاروں کو چھُو کے لوٹ آئے   پستیوں کو ابھی کچھ اور اُچھال
مُہر بر لب غریب ہیں لیکن   ہر نظر میں ہزار دستِ سوال
کتنے عارض شراب سے گل رنگ   کتنے چہروں پہ صرف گردِ ملال
زندگی ہے فقط عمل ہی عمل   واعظِ خوش بیاں ہے قال ہی قال
کب کے دار و رسن سے کھیل چکے   اس زمانہ کے صاحبانِ حال
میری دنیا میں ہے رمِ آہو   تیری دنیا ہے صرف چشمِ غزال
اُس کی باتیں چٹک شگوفوں کی   اُس کی رفتار یا نسیمِ شمال
رقص و نغمہ شراب و عیش و نشاط   ان دریچوں سے جھانکتا ہے زوال
جانِ شعر و ادب ہے اَے ماہر
صرف پاکیزگیٔ فکر و خیال